اُمِ مریم

واپسی

پھٹپھٹاتا ہوا رکشا ایک چھوٹے سے مکان کے آگے آکر رکا تو تب سے اکڑوں بے زار بیٹھی دیا جلدی سے اپنی چادر اور بیگ سنبھالتی نیچے اتر آئی۔ بابا کرایہ دے رہے تھے۔ اس نے ان سے نگاہ ہٹا کے سامنے دیکھا۔ لکڑی کا پرانا بوسیدہ سا دروازہ تھا۔ چھوٹی چھوٹی دیواروں پر سے جامن کی شاخیں ادھر ادھر جھانک رہی تھیں۔ بابا کے ہمراہ وہ یوں ہی بھڑے ہوئے دروازے کو کھول کر اندر آئی تو جامن کے درخت کے نیچے چار پائی پہ سبزی بناتی دادی نے سرسری سی نظر اٹھائی مگر انہیں پہچانتے ہی ان کے بوڑھے جھریوں زدہ چہرے پر ایک دم رونق اتر آئی۔ سب کچھ یوں ہی چھوڑ کر وہ جلدی سے اٹھیں اور بہت تپاک سے بیٹے اور پوتی کو گلے لگالیا۔

"چائے پیو گے کہ بوتل منگالوں؟"

"دادی پہلے بوتل پھر کھانے کے بعد چائے۔" اس سے پہلے کہ بابا جواب دیتے وہ بول پڑی۔ دادی کو اس کی یہ اپنائیت بھری بے تکلفی بہت بھائی۔ مسکرانے لگیں اور بوتل منگوانے کو گلی کے بچے کو آواز دے رہی تھیں کہ بابا نے روک دیا۔

رہنے دیں اماں! میں لاتا ہوں۔

دادی کے منع کرنے کے باوجود بابا چلے گئے تو دیا اٹھ کر چادر اتار کے تہہ کرنے لگی۔ دھیان خود بخود گھر کی

مکمل ناول

طرف چلا گیا تھا۔ ذیشان اور لائبہ تو امی کے ساتھ کھانا کھا چکے ہوں گے امی تو نماز پڑھ کے حسب عادت قیلولہ کرنے لگی ہوں گی ذیشان اور لائبہ نے ضرور کوئی مووی لگالی ہوگی۔ ابھی تو آزادی نصیب ہوگئی تھی کیونکہ انہیں روکنے ٹوکنے والے تو بابا اور وہی تھے اور اس وقت دونوں وہاں نہیں تھے۔

بابا صرف کولڈ ڈرنک ہی نہیں گوشت، سبزیاں اور جانے کیا کچھ خرید لائے تھے جنہیں سنبھالتے ہوئے دادی بڑبڑا رہی تھیں۔

"ذرا جو خیال ہو۔ بہت فضول خرچ ہے یہ ولی محمد بھلا مجھ اکیلی جان کا کیا خرچہ؟ جب بھی آتا ہے تھیلے بھر کے چیزوں کے لائے گا۔ تھیلے بعد میں ماں کھائے نہ پڑی سڑتی رہیں۔" اس نے دادی کی تقریر سنی اور ہنسنے لگی۔

"فکر کیوں کرتی ہیں دادی! اب میں آگئی ہوں نا اب یہ ساری چیزیں سڑیں گی نہیں۔" دادی نہال ہو اٹھیں۔

"ہاں پتری! کیوں نہیں۔" دادی نے پیار سے خود لپٹا لیا۔

"دیا بیٹا! آپ نکال لیتیں کولڈ ڈرنک گلاسوں میں۔" وہ مزے سے بیٹھی تھی، بابا کے ٹوکنے پہ منہ بنا لیا۔

"فکر نہ کریں بابا! مجھے ہی اب دادی کے سارے کام کرنے ہیں۔ بس اس وقت تھکی ہوئی آئی ہوں۔"

"ہاں ہاں تو چپ رہ۔ میں اتنا سا کام اپنی دھی کا کرتے تھکنے کیوں لگی؟" دادی نے بھی بابا کو ڈانٹا اور اس کی حمایت لی۔

بوتل پی کر بابا نماز کو چلے گئے تو اس نے وہیں لیٹ کر آنکھوں پہ بازو رکھ لیا۔ ذرا ستانے کا موڈ تھا۔ جبکہ دادی گوشت چڑھانے کی تیاری میں مصروف تھیں دادی کی پڑھی لکھی شہری پوتی کی آمد کا سن کر آس پڑوس کی عورتیں باقاعدہ اس کے دیدار کو آرہی تھیں دادی ہر کسی کے سامنے اس کے سگھڑاپے، ذہانت تعلیم اور خوب صورتی کے لمبے چوڑے قصیدے پڑھتیں تو دیا ایک دم خجل ہو جاتی۔ ایک دوبار انہیں دبے انداز میں ٹوکا بھی، مگر ان کا ایک اپنا انداز تھا، سو مگن رہیں۔ اس روز انہوں نے بڑے شوق سے گڑ کے چاول پکائے تھے جس میں چنے کی دال بھی ڈالی تھی۔

تیرے ابا کو یہ چاول بڑے پسند تھے اور تیرے بہشتی دادا کو بھی۔ انہوں نے پلیٹ بھر کے اسے تھماتے ہوئے اطلاع دی۔ وہ محض مسکرا دی، مگر اتنی رغبت سے نہ کھا سکی۔ جتنی سے غالباً" دادا اور بابا کھاتے ہوں گے۔ جب ہی تو دادی کا چہرہ اتر گیا تھا۔

دادی نے چار مرغیاں پل رکھی تھیں۔ اس وقت اس نے دادی سے انڈوں کے حلوے کی فرمائش کی تھی جب ہی دادی ایک دم پرُجوش ہو کر حلوہ بنانے لگیں۔

ابا اسے دادی کے پاس چھوڑ کر واپس چلے گئے تھے۔ وہ شہری ماحول کی عادی تھی۔ اسے یہاں وقت بہت ست روی سے گزرتا محسوس ہوتا تھا۔ ماحول کی تبدیلی نے اس پر بہت بے زاری اور کسل مندی سی طاری کر رکھی تھی حالانکہ تقریباً" روز ہی اس کی گھر پہ سب سے فون پر بات ہوتی تھی، مگر پھر بھی وہ ایڈجسٹ نہیں کر پا رہی تھی۔ زندگی پہ چھایا جمود اسے اب بے زار کرنے لگا تھا، مگر دادی کے خیال سے چپ تھی کہ دادی کا دل نہ ٹوٹ جائے اس کی واپسی کا سن کر۔ جب سے دادا کی وفات ہوئی تھی وہ اکیلی ہوگئی تھیں۔ بابا کو ان کی بہت فکر رہنے لگی تھی۔ کیونکہ وہ منت سماجت کے باوجود بھی وہاں شہر آنے پر آمادہ نہیں تھیں۔

"نہ پتر! تیرے ابا مجھے اس گھر میں بیاہ کر لائے تھے۔ میرا جنازہ بھی یہیں سے اٹھنا چاہیے۔ پھر تیرے ابا کی کیا، سارے ہمارے بڑکھوں کی قبریں یہیں ہیں۔ میں ایسی بے وفائی نہیں کر سکتی کہ سب کچھ چھوڑ کر شہر جا بسوں۔" بابا کے اصرار پہ دادی نے کہا تھا۔ دادی اپنی ضد پہ قائم رہیں، تب بابا نے ان کی تنہائی کا یہ حل نکالا

تھا کہ دیا کو ان کے پاس چھوڑ دیا تھا۔

"اچھا ہے اماں! آپ اسے اپنے پاس رکھیں۔ ذرا اس کی تربیت بھی کر دیجیے گا۔ ورنہ اس کے باپ نے تو اسے بس لاڈ پیار کر کے بگاڑ دیا ہے۔ یہ نہیں پتا بیٹی پرایا دھن ہوتی ہے، اس کی شادی بھی کرنا ہے۔" اسی رات امی نے فون پر دادی سے کہا تھا اور دادی جی جان سے تیار ہو گئی تھیں۔

"ہو، بسم اللہ! کیوں نہیں پتری! میں اپنی دھی کو سینا، رونا، گھرداری سب سکھادوں گی۔ بس اللہ سوہنا میری شہزادی کا نصیب بہت اچھا کرے۔"

اور یقیناً" اب دادی اس کی تربیت کا بھی بیڑا اٹھائے ہوئے تھیں کہ ہر کام اس سے کرایا کرتیں۔ صبح خود نماز کو اٹھتیں تو اس وقت تک ان کی پکاریں نہ تھمتیں، جب تک اسے بھی وضو کے لیے باتھ روم روانہ نہ کر دیتیں۔ پھر یہیں پہ اکتفا نہیں تھا۔ قرآن کی تلاوت اور تسبیحات بھی ضروری تھیں۔ یہاں آنے کے بعد شاید ہی وہ ان پندرہ بیس دنوں میں کوئی نماز چھوڑنے پائی ہو۔ ورنہ گھر پہ تو وہ مرضی کی مالک ہوا کرتی تھی۔ جی چاہا پڑھتی، نہیں تو نہ سہی۔ بابا کی تاکید اور امی کی سرزنش پہ وہ کہاں اتنا کان دھرنے کی عادی تھی، مگر دادی کی تو بات ہی اور تھی وہ صرف کہنا ہی نہیں، منوانا بھی جانتی تھیں۔

دادی اسی وقت انڈوں سمیت اندر آئی تھیں۔ اس نے کپڑوں کا ڈھیر چارپائی پہ پھینک دیا۔ دادی کے کچن میں جانے کے بعد وہ وہیں بیٹھ کر کپڑوں کو تہہ لگانے لگی۔

اداس شام چپکے چپکے درودیوار سے جھانکتی رہی۔ کھلے سے آنگن میں بکھری اکتائی سی دھوپ نے دھیرے دھیرے بددلی سے اپنے پر سمیٹے اور واپسی کا سفر شروع کر دیا تو نیلا خاموش عنبر پرندوں کی پھڑپھڑاہٹ اور چہکاروں سے بھرنے لگا۔ جامن کی شاخوں پر پڑے جھولے پر کوئی ننھی سی چڑیا شاید راستہ بھول کر آ بیٹھی۔ نرم دھوپ میں اونگھتے پتوں نے آنکھیں کھول کر اس اجنبی، مگر مانوس مسافر کو خوش آمدید کہا۔ اس کے ننھے وجود سے جھولا دھیرے دھیرے ہلنے لگا۔ دیا کپڑے تہہ لگا کر اٹھی تو چڑیا پھڑپھڑا کر پھر سے اڑ گئی۔ وہ کپڑے الماری میں رکھ رہی تھی جب اس کے سیل پہ بیپ ہونے لگی۔ کچن سے دادی بھی مسلسل پکار رہی تھیں۔

"دادی کو کیا فرق پڑا میرے آنے سے۔ وہ اکیلی تھوڑا ہی تھیں۔ یہاں کی ہمسایہ عورتیں دن بھر چکر لگاتی ہی رہتی تھیں، مگر میری زندگی کیسی اکتاہٹ سے بھر گئی ہے۔" وہ واقعی بے زار ہو رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

اسے وہاں آئے دو ماہ ہو گئے تھے۔ اس دوران ایک چکر بھی بابا کے ساتھ امی اور ذیشان، لائبہ وغیرہ لگا چکے تھے شروع دنوں میں بے زار رہنے کے بعد اب جیسے تیسے ایڈجسٹ کر چکی تھی۔ گرمیاں مکمل طور پہ رخصت ہو چکی تھیں۔ سردیوں کی آمد تھی، ایسے میں دادی کو ہزاروں کام تھے۔ سب سے زیادہ الجھن دیا کو اس وقت ہوئی جب وہ لحاف ادھیڑ کر بیٹھ گئیں۔

"صاف ستھرے تو تھے دادی! کیوں پھیلاوا ڈال لیا؟" وہ جھنجلا گئی۔

"بیٹا! دوبارہ سے بھرائی کرانی تھی نا۔ میں تمہیں ان میں ڈورے ڈالنے سکھاؤں گی۔" انہوں نے بڑے چاؤ سے کہا اور وہ بے ہوش ہونے والی ہو گئی۔

"پلیز دادی! مجھے نہیں سیکھنے۔" اس نے منہ لٹکایا تھا، دادی ہنسنے لگیں۔

"نہ پتر! سب کچھ والدین کے گھر سے سیکھ کر اپنے گھر جاؤ گی تو شوہر کے دل پہ راج کرو گی۔ کوئی تنگی نہیں ہو گی تمہیں کسی بھی نئے کام میں ہاتھ ڈالتے۔۔۔ اور کام کرنا تو پڑتا ہے، یہ تو طے ہے۔" دادی نے مخصوص انداز میں سمجھایا۔

"ہر کام میں خود جان مارنے کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی دادی! جو کام پیسے دے کر ہو جائے اسے..."

"نہ کرنا ہر کام میری دھی۔ مگر سیکھنے میں کوئی حرج ہے؟" دادی نے کہا اور وہ ٹھنڈا سانس بھر کے رہ گئی۔

"پتر! عورت کو ہر کام آنا چاہیے۔ مشکل اور آزمائش میں فائدہ رہتا ہے۔"

"آپ کو الہام ہوا ہے دادی کہ میری قسمت میں مشکل یا آزمائش آنی ہے۔" وہ ایک دم شوخ ہو گئی دادی نے سنجیدگی ور سانیت سے اسے دیکھا۔

"پتر! ہماری تو دعا ہے کہ تیرا نصیب شہزادیوں سے بھی زیادہ اچھا ہو۔ مگر آنے والے وقت کا تو صرف اللہ کو ہی علم ہے نا۔ اللہ سے تو بہتری کی ہی امید اور دعا کرتے ہیں۔"

وہ سر ہلا کے رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

اس کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا' دادی کمرے میں نہیں تھیں۔

کھلے بالوں کو سمیٹتے ہوئے وہ بستر سے اٹھ گئی۔ اس سے پہلے کہ باہر نکلتی دادی اس کے لیے ناشتا لیے چلی آئیں۔ وہ ایک دم شرمندہ ہوئی۔

"دادی! آپ نے کیوں بنایا میں خود بنا لیتی نا۔"

"کوئی بات نہیں پتر! تو ہی بناتی ہے ہر روز تو ناشتا کرلے۔ مجھے ثریا کی طرف جانا ہے۔" دادی کا انداز بجھا بجھا سا محسوس کرکے دیا زور سے چونکی۔

"کیوں دادی! خیریت؟" وہ جانتی تھی' دادی عام عورتوں کی طرح محلے کے گھروں میں فضول جا کے بیٹھنے کی عادی نہیں تھیں۔

"خاوند فوت ہو گیا ہے اس کا۔" دادی کی اطلاع پہ اسے افسوس ہوا۔

"ساری رات گھر نہیں آیا تھا نمانا۔ بے چاری بڈھی ماں برستی بارش میں چھاتا لیے ڈھونڈتی پھری مگر نہ ملا۔ صبح لوگ نماز پڑھنے کو اٹھے تو نکڑ کے گندے نالے کے قریب گرا ہوا ملا۔ اللہ جانے کیسے جان دی ہو گی سسک سسک کے بے چارے نے۔" دادی کی آواز بھر آگئی۔

"غلط کاموں کے ہمیشہ غلط نتیجے ہی نکلا کرتے ہیں دادی! وہ غلط راہوں پر چل پڑا تھا' تو یہ تو ہونا ہی تھا۔" وہ کسی قدر رعونت سے کہہ کر ناشتے کی سمت متوجہ ہو گئی۔

"وہ ہمیشہ سے ایسا تھوڑا ہی تھا پتر! حالات کی ستم ظریفی کی نذر ہو گیا بے چارہ۔" دادی کے لہجے میں ملال ہی ملال تھا۔

وہ چند نوالوں سے زیادہ نہ لے سکی۔ چائے کا مگ اٹھا کر ناشتا ختم کیا۔

"ایسے مردوں کو راہ راست پہ لایا بھی کیسے جا سکتا ہے دادی! جو سمجھ بوجھ رکھنے کے باوجود راہ سے بھٹک جائیں۔" اس کے لہجے میں تلخی تھی۔

"انسان خطا کا پتلا ہے پتر! غلطی کسی سے بھی ہو سکتی ہے۔ پھر حالات ہی انسان کو مایوس یا حوصلہ مند بناتے ہیں۔ مگر اس غلطی کو نہ سدھارنا ہی اصل غلطی ہے۔ مایوسی سے نہ نکلنا ہی تباہی ہے۔ بسا اوقات انسان کو خود اپنی غلطی کا احساس نہیں ہوتا۔ یا گناہ کی لذت اور کشش اسے اتنا مسحور کر دیتی ہے کہ اندر کا یہ احساس مٹ کر رہ جاتا ہے۔ ایسے میں اس سے وابستہ لوگوں کا فرض ہے کہ اسے بھلائی اور ہدایت کے راستے کی طرف بلائیں اور پھر بیوی کا تو ایسا رشتہ ہے' جو بہت مضبوط ہی نہیں بہت قریبی بھی ہوتا ہے۔ عورت اپنے مرد کو پیار محبت اور توجہ دے کر جو چاہے کرا لے۔ مرد کی کمزوری بنایا گیا ہے عورت کو۔ اس کے بغیر مرد کبھی خود کو مکمل اور آسودہ محسوس نہیں کرتا اور خاص طور پہ وہ عورت جس سے مرد کو محبت ہو' وہ مرد سے کچھ بھی کروا لینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔"

"تو کیا ثریا کے شوہر کو ثریا سے محبت تھی؟ آئی مین ثریا سے محبت کی شادی کی تھی اس نے؟" معاً" ایک دم دلچسپی لیتے ہوئے بولی۔ دادی نے گہرا سانس بھرا۔

"پتر! اس رشتے میں تو محبت اللہ کی طرف سے دلوں میں اتاری جاتی ہے۔ دو انجان غیر اور اجنبی افراد ایک ہوتے ہیں تو اللہ ہی ہے' جو انہیں ایک دوسرے کو پیار کرنے' اور سمجھوتے کرنے میں مدد دیتا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ان میں محبت نہ رہی ہو؟ یہ الگ بات ہے کہ حالات و واقعات کے رخ کے ساتھ اس احساس کی دبوھتی گھٹتی رہتی ہے۔ نیک اور پارسا عورت رشتہ ازدواج کو خوب صورتی سے نبھاتی ہے۔ اس رشتے کو خوب صورت رکھنے میں سب سے اہم کردار بیوی کا ہی ہوتا ہے۔ تحمل مزاج اور خوش اخلاق عورت نہ صرف اپنے شوہر کے دل پہ راج کرتی ہے' بلکہ اسے صحیح و غلط راستے پہ بھی چلا سکتی ہے۔ ثریا کے شوہر کی زندگی تو اتنی ہی تھی مگر جس انداز میں اس کی موت ہوئی' اس میں یقیناً" حالات کے ساتھ ساتھ ثریا کی بھی کوتاہی اور زیادتی شامل رہی ہے۔" دادی نے حسب عادت ایک طویل لیکچر دیا تھا۔

"دروازہ بند کرلو۔ اور میری آواز پہچان کر ہی دروازہ کھولنا۔" دادی تاکید کرتی چلی گئیں۔

دیا دروازہ بند کرکے اندر آگئی مگر سوچوں کا محور ثریا اور اس کا شوہر ہی رہے تھے۔ پتا نہیں دادی جو کہہ رہی تھیں وہ کتنے فیصد صحیح تھا۔ عورت سے ہی کیوں ہر کوئی قربانی مانگتا تھا۔ اس کا شوہر' اس کے گھر والے اور یہ معاشرہ بھی۔ وہ جتنا سوچتی' اسی قدر الجھ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

کئی دنوں سے چھاجوں مینہ برس رہا تھا۔ آج بھی صبح سے لگاتار بارش برس رہی تھی۔ کبھی تیز بوچھاڑ کبھی ہلکی پھلکی... اور ایسی ہی ہلکی پھلکی پھوار میں بابا' امی' ذیشان اور لائبہ اچانک بنا کسی اطلاع کے چلے آئے۔

"بجو! پکوڑے اور گلگلے بنائیں۔"

ذیشان کی فرمائش پہ وہ فوراً" کھڑی ہو گئی۔ بابا حسب عادت آتے ہوئے ڈھیروں سامان لائے تھے۔ جسے امی اس کے ٹھکانوں پہ پہنچا رہی تھیں۔ ساتھ لائبہ لگی تھی۔ ساری سبزیاں دھو کر فریج میں رکھیں۔ جام' انڈے اور ڈبل روٹی کے پیکٹ بھی فریج میں رکھے۔ اس کا رزلٹ آچکا تھا وہ ماسٹرز کرنا چاہتی تھی جبکہ امی اور دادی کا خیال تھا' اب اس کی شادی ہو جانا چاہیے۔ دونوں اپنی بات پہ قائم تھیں۔ پچھلے دنوں امی کی کوششوں کے نتیجے میں ایک دو اچھے رشتے بھی آئے تھے۔ امی آج اسی سلسلے میں دادی کے پاس آئی تھیں۔ یہاں سے ساس بہو کا ارادہ بابا کے ساتھ لڑکے کو دیکھنے جانے کا تھا۔ یہ ساری اطلاعات ابھی کچھ دیر قبل ذیشان نے اسے دی تو اس کے تیزی سے پکوڑوں کے لیے پالک کاٹتے ہاتھ تھم گئے تھے۔

"کیوں پیچھے پڑ گئی ہیں امی میرے؟ پڑھ تو لینے دیں سکون سے۔" وہ جھنجلا گئی تھی۔

"ہم ہمیشہ کے لیے آپ سے جان چھڑانا چاہتے ہیں بجو! قسم سے آپ کے بغیر وہاں اتنا مزا آرہا ہے کہ کیا بتاؤں۔" وہ اسے چھیڑ رہا تھا' مگر دیا کی آنکھیں جانے کس احساس کے تحت لبالب پانیوں سے بھر گئیں۔

"جان چھڑانا ہے تو مجھے کسی کنویں میں دھکا دے آو نا۔" وہ چھری پھینک کر چیخ پڑی۔ ذیشان بوکھلا گیا۔

"ارے رے! ایک ہینڈسم سے بندے کو ہم بھلا کیوں اتنی پیاری لڑکی سے محروم کریں؟ قسم سے' بہت ڈیشنگ ہیں۔ دیکھیں گی تو بس دیکھتی رہ جائیں گی۔"

ذیشان نے اسے چپ کرانے کو کہا تھا وہ ہونٹ کچلنے لگی اور بھیگی آنکھوں سے اسے گھورا۔

"وہ جتنا بھی ہینڈسم ہو۔ مگر مجھے ماسٹرز کرنا ہے۔ میں بابا سے بات کروں گی۔"

اور اس نے یہ محض دھمکی نہیں دی تھی' رات کے کھانے کے بعد وہ سب کمرے میں دہکتی انگیٹھی سے آگ تاپتے' چائے اور ابلے ہوئے انڈوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے' جب دیا نے یہ بات بابا سے کہی۔

"ہاں تو پڑھ لینا۔ ہم کون سا منگنی کے ساتھ ہی

شادی بھی کردیں گے۔ ابھی تو صرف لڑکا دیکھنے جانا ہے۔" امی کو اس کا یوں منہ پھاڑ کر یہ سب کہہ دینا ایک آنکھ نہیں بھایا تھا جب ہی بے حد جز بز ہو کر بولی تھیں۔ بابا کے تاثرات نارمل تھے۔ وہ بچوں کو اپنی آزادانہ رائے کا حق دینے کے حامی تھے۔

"آپ فکر نہیں کریں۔ بیٹا! اگر آپ ماسٹرز کرنا چاہتی ہیں تو ماسٹرز کے بعد ہی آپ کی شادی ہوگی۔"

"میں کہے دے رہی ہوں اگر مجھے لڑکا پسند آیا تو میں ہرگز یہ رشتہ ہاتھ سے جانے نہیں دوں گی۔ اچھے رشتے آسانی سے نہیں ملتے۔" امی نے اپنا ارادہ ظاہر کردیا۔

"تو بیگم صاحبہ! آپ اپنا کام کریں۔ اگر لڑکا اچھا ہوا تو ہم بھی پاگل نہیں جو انکار کریں۔" بابا کے کہنے پہ دیا نے احتجاجی نظروں سے انہیں دیکھا۔ وہ آہستگی سے مسکرادیے۔ وہ بھرپور خفگی کا تاثر دیتی اسی وقت وہاں سے اٹھ گئی تھی۔

"بیٹا! منگنی ہونے میں تو حرج نہیں ہے نا۔ آئی پرامس کہ شادی ماسٹرز کے بعد ہی ہوگی۔ منگنی ہوگئی تو تمہاری ماں بھی خوش ہوجائے گی۔"

وہ کچن میں کھڑی برتن دھو رہی تھی۔ بابا نے وہاں آکر اسے مخاطب کیا تو وہ جھینپ کر مسکرادی تھی۔ بابا مطمئن ہوگئے۔

☆ ☆ ☆

بابا دیا کا ایڈمیشن یونیورسٹی میں کرانے پہ آمادہ ہوگئے تھے۔ وہ شہر میں اسی کام میں مصروف تھے۔ دیا، دادی کو قائل کررہی تھی کہ وہ بھی ان کے ساتھ شہر چلیں۔ دادی کسی طور آمادہ نہ تھیں، اس کا انہیں اکیلے چھوڑنے کا جی نہ تھا۔ وہ انہیں رسانیت اور محبت سے منانا چاہتی تھی اور یہ اس کی منت سماجت ہی تھی کہ دادی کو اس کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑ گئے تھے۔ وجہ یہی تھی کہ وہ بیٹے کی پہلی اولاد ہونے کے باعث ان کی بے حد لاڈلی تھی۔ جب اس نے ناراضی کی دھمکی دی تو انہیں ماننے ہی بن پڑی تھی۔ دو دن بعد بابا کو انہیں لینے آنا تھا۔ دادی اپنے ہمسایوں سے ملتی پھر رہی تھیں۔

وہ اپنا گھر چھوڑ جانے کے خیال سے اداس بھی تھیں۔

یہ اس گھر میں ان کی آخری رات تھی۔ دادی اپنے بستر پہ سکون کی نیند سو رہی تھیں، جبکہ وہ شاید ایک آدھ گھنٹہ نیند لینے کے بعد اٹھ گئی تھی اور اب کروٹیں بدلتے جانے کتنے گھنٹے بیت گئے تھے۔ رات اپنے اندر ہزاروں بھید چھپائے دھیرے دھیرے آگے بڑھ رہی تھی۔ وقفے وقفے سے چوکیدار کی سیٹی کی گونجنے والی آواز کے علاوہ اندر باہر خاموشی کا راج تھا۔ موسم بدل جانے کے باعث فضا میں غضب کی سردی تھی۔ دادی کے ہلکے خراٹے کمرے کی فضا میں گونج رہے تھے۔ اسے خراٹوں میں کبھی بھی نیند نہیں آتی تھی۔ لائبہ بھی سوتے میں خراٹے لیا کرتی اور اسے اتنی ہی چڑ ہوتی۔ اسے بلا دریغ جھنجھوڑ کر جگا ڈالتی۔ وہ بے چاری پھر جاگے یا سوئے، یہ آرام سے سو جاتی۔

اگلے دن لائبہ ڈھیروں شکایتوں کے ساتھ بابا کے سامنے فریادی بنی کھڑی ہوتی، مگر اس کے سامنے کس کی چل سکتی تھی۔

"اللہ کرے۔ آپ کا شوہر اتنی زور سے خراٹے لیا کرے کہ آپ سونے کو ترسیں۔" لائبہ کی ایک نہ چلتی تو وہ بددعاؤں پہ اتر آتی۔ اس وقت اسے لائبہ کی بددعا یاد آئی تو مسکرادی اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اسے پیاس محسوس ہورہی تھی۔ اس نے سرہانے پڑی میز پہ رکھے جگ کو دیکھا۔ وہ خالی تھا۔ حالانکہ دادی کی عادت تھی جگ میں رات کو پانی رکھنے کی۔ شاید بھول گئی ہوں۔ وہ دوبارہ لیٹ گئی، باہر جانے کی اس میں ہمت نہیں تھی۔ مگر پیاس کا احساس شدت اختیار کرنے لگا۔ کچھ دیر کروٹیں بدلنے کے بعد وہ بالآخر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ کچھ سوچا اور دل کڑا کرکے باہر کچن تک جانے کا فیصلہ کرلیا۔ دادی کی نیند خراب کرنے کا اس کا جی نہیں چاہا تھا۔ دروازے کی چٹخنی گرائی اور برآمدے میں آگئی۔ ڈیوڑھی میں لگے انرجی سیور کی روشنی صحن تک بھی پہنچ رہی تھی۔ چاند غائب تھا۔ ہر شے پہ خاموشی اور پراسراریت کا تاثر تھا۔ وہ کچن میں آگئی۔ مدھم سی روشنی کچن کی کھڑکی کے ذریعے وہاں تک پہنچ رہی

تھی۔ اس نے لائٹ آن کیے بنا ریک سے گلاس اٹھایا اور سنک کی ٹونٹی کھول کر گلاس بھرا۔ ابھی منہ کی طرف لے کر گئی بھی نہیں تھی کہ فضا میں گونج اٹھنے والی فائر کی آواز سے اس کا دل کانپ گیا، مگر وہ اس وقت کچھ اور دل گئی، جب صحن میں باری باری چند سائے خاموشی سے کودے۔ اسے لگا اس کا دل حلق میں آگیا ہو۔ وہ اپنی جگہ ساکت ہوگئی۔ پہلا خیال چوروں کا ہی تھا۔ وہ لمبے تڑنگے آدمی جن کے چہروں پہ سیاہ ڈھاٹے اور ہاتھوں میں چمکتی رائفلیں تھیں، دندناتے ہوئے آنگن برآمدے اور پھر کمرے کے کھلے دروازے میں جا گھسے۔ دیا کو ایک پل کو لگا اس کا دل دھڑکنا بھول جائے گا اور وہ ابھی بے ہوش ہو کر گر جائے گی۔ خوف سے ساکن آنکھیں لیے وہ اسی حالت میں کھڑی باہر جھانکتی رہی۔ کچن کی لائٹ نہ جلانا، اس کے لیے کتنا مفید ثابت ہوا تھا۔

"او بڈھیا! اٹھ، تیرے باقی گھر والے کدھر ہیں؟" اس نے وہیں کھڑے کھڑے ایک کرخت آواز سنی۔ دادی کا خیال آیا تو خوف کے ساتھ تشویش بھی ہوئی۔

"چابیاں نکال بڈھی! سونا، نقدی جو بھی ہے شرافت سے ہمارے حوالے کردے اور کیا تو گھر میں اکیلی ہے؟" وہی سفاک آواز پھر گونجی۔ دیا کا دل دھک دھک کرنے لگا، جانے دادی کیا کہیں؟

"نہیں! بڈھی کے ساتھ کوئی اور بھی ہے۔ کھلا ہوا دروازہ اور خالی بستر اس بات کا گواہ ہے۔ کہاں ہے وہ؟ کہیں اسے ہمارا پتا تو نہیں چل گیا اور... یقیناً" مائی کا بابا ہوگا۔ واش روم چیک کرو لمانت! اور اسے قابو کرو۔" ایک اور آواز گونجی جس میں یقین تھا۔

دیا کو اپنا وجود سن ہوتا محسوس ہوا۔ برآمدے کے ستون کے پاس کھڑا ہوا آدمی اس آواز پہ چونکا انداز میں آگے بڑھا تھا۔ اس کا رخ واش روم کی سمت تھا۔ دیا کے دماغ نے لمحے کے ہزارویں حصے میں کام کیا۔ اس نے تیزی سے اپنے دفاع کے لیے کسی چیز کی تلاش میں نظریں دوڑائیں۔ چاول پکانے کی بھاری ڈوئی کچن کی سلیب پہ پڑی نظر آئی۔ اس نے وہی اٹھالی اور محتاط سے انداز میں دروازے کی اوٹ میں ہو کر کھڑی ہوگئی۔ واش روم کو خالی پا کر ڈھونڈنے والا اسی سمت آیا تھا۔ دیا نے دھڑدھڑاتے دل کے ساتھ ڈوئی پہ اپنے کانپتے ہاتھوں کی گرفت مضبوط کی اور جس پل وہ لمبا آدمی اپنی جھونک میں اندر آیا۔ دیا نے پوری قوت سے ڈوئی گھما کر اس پہ وار کیا تھا۔ وہ اتنی آسانی سے ہرگز خود کو ان کے ہتھے نہیں چڑھانا چاہتی تھی۔ اس پل اس کے خوف پہ وحشت کا احساس غالب آگیا تھا۔ آنے والے نقاب پوش کو شاید کسی بھی عام فرد سے ایسی چابک دستی اور پلاننگ کی توقع نہیں تھی، جب ہی کچھ پل کو مبہوت رہ گیا۔ نقاب اس کے چہرے سے ہٹ گیا تھا اور اس کی پیشانی سے بھل بھل بہتا ہوا خون اس کے چہرے کے بعد گردن اور دامن کو رنگین کرتا چلا گیا۔ دیا نے دوبارہ اس پہ حملہ کرنا چاہا، مگر تب تک وہ اس سکتے سے باہر نکل کر مغلظات بکتے ہوئے ایک دم اس پہ جھپٹا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ اس کی تحویل میں جاتی اور وہ اسے کوئی نقصان پہنچاتا، ایک بھاری بھرکم دبنگ آواز نے فی الفور مداخلت کی تھی۔

"لمانت! اسے چھوڑو۔"

دیا نے چونک کر سر گھمایا۔ بھاری تن وتوش کا وہ طویل القامت نقاب پوش اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کی آنکھیں اتنی سرخ تھیں کہ دیا ایک نگاہ ڈال کر ہی دہل گئی۔

"کیوں چھوڑ دوں؟ تم دیکھ رہے ہو کہ اس نے میرا حشر..."

"تم باہر چل کر گاڑی میں بیٹھو! ہم ابھی آرہے ہیں۔" اس لمبے آدمی نے کہا، جبکہ اس کا زخمی ساتھی کچھ خفا خفا سا اسے تکنے لگا تھا۔ دیا کسی کی بھی پروا کیے بغیر بھاگ کر کمرے میں آگئی اور ہراساں و وحشت زدہ سی بیٹھی دادی سے لپٹ گئی۔ وہ یوں ساکن تھیں جیسے خوف اور صدمے سے قوت گویائی چھن لی ہو۔

"تم سب واپس چلو۔" اس لمبے، سرخ آنکھوں والے نے اندر آکر حکم دیا۔ وہ غالباً ان کا سرغنہ تھا۔ الماری اور ٹرنکوں وغیرہ میں سونا، نقدی کو تلاشتے

ہنگامہ مچانے والا اور دادی پہ گن تانے کھڑا نقاب پوش ششدر رہ گئے تھے۔

"کیا کہہ رہے ہو۔۔۔ یہ ہمارے اصولوں کے خلاف ہے کہ ہم۔۔۔"

"ڈونٹ وری! ہم یہاں سے خالی ہاتھ نہیں جائیں گے۔" اپنی بات کے اختتام پہ اس نے دیا کو سلگتی آنکھوں سے دیکھا۔

دیا کو اپنا دل بند ہوتا محسوس ہوا۔ اس سے پہلے کہ وہ اور دادی کچھ سمجھتیں اس لمبے آدمی نے اپنا ہاتھ بڑھا کر بے دردی سے دیا کو اپنی جانب گھسیٹ لیا۔ اس کے منہ سے نکلنے والی چیخ کا گلا بے ہوشی کی دوا میں بھیگے رومال نے اس کے چہرے کے نزدیک آتے ہی گھونٹ دیا تھا۔ اس کے بعد دیا کو لگا تھا' ہر شے پہ اندھیرے مسلط ہو گئے ہوں۔

☆ ☆ ☆

رات بھر گرنے والی اوس میں بھیگی سڑک پہ گاڑی کی لائٹیں پڑتیں تو شفاف بوندیں روشنی سے منعکس ہو کر جگمگا اٹھتیں۔ سڑک کے دونوں اطراف کھڑے درخت بھی یوں ساکن تھے جیسے پتھرا گئے ہوں۔ جیپ میں بیٹھے چاروں نفوس بے حد خاموش تھے۔ تینوں کے چہروں پر ابھی تک سیاہ نقاب تھے۔ وہ چاروں ہی طویل قامت اور بھاری جسامت کے مالک تھے' مگر جو ان میں سب سے لمبا تھا' وہ اس وقت پچھلی سیٹ پہ بیٹھا ہوا تھا۔ رائفل اس کی گود میں تھی اور دائیں پہلو میں بیٹھی دیا ابھی تک بے سدھ تھی۔ یہ ڈاکوؤں کا ایک گروہ تھا جو پہلی مرتبہ کسی گھر سے مال چوری کرنے کی بجائے اس گھر کی عزت چرا لایا تھا اور ان کے سرغنہ نے ایسا کیوں کیا تھا' یہ نہ تو ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھا جیپ ڈرائیو کرتا حسام جانتا تھا' نہ زخمی ہونے والا امانت اور نہ ہی اس کی مرہم پٹی کرتا ہوا راجو۔ تینوں بے حد خاموش اور خفا تھے۔

خاموش تو چوتھا لمبے قد والا بھی تھا' مگر وہ خفا نہیں مضطرب تھا۔ اس کی بے چین نگاہیں گاہے بگاہے بے ہوش پڑی دیا کی سمت اٹھتی تھیں اور وہ جیسے ہر مرتبہ پہلے سے بڑھ کر مضطرب ہو جاتا۔ وہ خود پہ حیران تھا۔ اپنی ہار پہ ششدر تھا۔ وہ لڑکی بے حد پُرکشش تھی۔ اس کی بڑی بڑی خواب ناک آنکھیں تھیں اور تراشیدہ لبوں کی رنگت یاقوت کی طرح تھی۔ اس کے کھڑے ہونے' اٹھنے بیٹھنے کے انداز میں ایک انوکھا سا وقار تھا۔ وہ کتنی فرصت سے اسے سوچ رہا تھا۔ محض چند لمحے لگے تھے اور اس کے دل پہ وارد ات ہو گئی تھی۔ وہ جو ہمیشہ چھیننا آیا تھا' لوٹنا آیا تھا' کیسے لمحوں میں لٹ گیا تھا۔ امانت کو اسی نے کسی دوسرے فرد کی تلاش میں بھیجا تھا۔ اندر بیٹھی عورت کے لیے دو بندے کافی تھے' جب ہی وہ احتیاطاً امانت کے ساتھ ہو لیا۔ وہ اپنے ساتھیوں کی نسبت بے حد محتاط اور چوکنا رہنے کا عادی تھا۔ اس کی اسی سوجھ بوجھ کے باعث وہ کبھی پولیس کے ہتھے نہیں لگے تھے۔ امانت کو واش روم کی سمت جاتے دیکھ کر اس نے کچن کا رخ کیا۔ کچن کے آگے سے گزرتے اسے کھڑکی کی جالی سے اندر جاتی روشنی میں لہراتا آنچل اور لمبی چوٹی نظر آئی تھی۔ وہ وہیں تھم گیا۔ وہ لڑکی ترچھے زاویے سے کھڑی تھی۔ پھر اس کے دیکھتے اس نے ڈوئی اٹھائی تھی۔ وہ لازمی اس کی حکمت عملی پہ غور کرتا اور اس سمت آتے امانت کو خبردار کرتا اگر جو اس کے حواس اس کے ساتھ رہے ہوتے۔ چٹکی ہوئی چاندنی جیسا روپ رکھنے والی اس لڑکی میں ایسا کیا تھا جو پہلی نگاہ میں اس کی سُدھ بُدھ چھین کے لے گیا تھا۔ یہ وہ قطعی سمجھنے سے قاصر رہا تھا۔ یہ بھی نہیں تھا کہ اس نے زندگی میں کبھی حسین لڑکیاں نہیں دیکھی تھیں۔ اس کی زندگی میں ایک سے بڑھ کر ایک حسین طرح دار اور فیشن ایبل حسینائیں آئی تھیں۔ مگر وہ ہمیشہ بے نیاز رہا تھا۔ اس کے ساتھی وقت گزاری کو عورتوں کی صحبت اختیار کرتے اور اسے دعوت دیتے' مگر وہ ہر بار طرح دے جاتا۔

مگر اب اس کے وہی ساتھی جو عورت سے اس کی بے زاری اور گریز سے آگاہ تھے۔ اس فیصلے کے پیچھے محرک سوچ رہے تھے۔

"ہاں تو تم نے اٹھانے نہیں دیا۔۔۔ اس لڑکی کو اٹھانے کی کیا تک تھی؟ بتانا پسند کرو گے مستقیم؟" راجو کاٹ دار نظروں اور تیز لہجے میں بولا۔

"مگلے ڈاکے میں' میں اپنا حصہ نہیں لوں گا۔ وہ مال سب میں تقسیم ہو گا سوائے میرے۔" مستقیم نے ایک دم فیصلہ سنا دیا۔

راجو نے ہونٹ بھینچ کر خود کو بہت گری ہوئی سطحی بات کہنے سے روکا۔ وہ اس وقت مستقیم کو طیش دلانا نہیں چاہتا تھا۔ وہ اس کے غصے کی خوفناکی سے آگاہ تھا' پھر وہ ان کا سرغنہ بھی تھا۔

گاڑی میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔ مستقیم نے گن سائیڈ پہ رکھ کر چہرے پہ بندھا رومال اتار دیا۔ اپنے سر کے گھنے بالوں میں ہاتھ پھیر کر انہیں سہلایا' پھر بڑھی ہوئی شیو کو کھجاتے ہوئے ایک بار پھر بے ہوش دیا کو دیکھنے لگا۔ اب کی مرتبہ اس کی نگاہ میں پہلے کا سا تفکر نہیں' بلکہ ایک انوکھی چمک تھی۔ جسے اس کے ساتھیوں نے حیرت سے دیکھا تھا۔ آج وہ ہر طرح انہیں حیران کرنے پہ تلا ہوا تھا۔

☆ ☆ ☆

طویل سفر کا اختتام جس جگہ پہ جا کے ہوا وہ ایک بے حد ویران علاقہ تھا' جہاں دور' دور آبادی اور ذی روح کا نام و نشان بھی نہ ملتا تھا۔ ایک عجیب وحشت انگیز سناٹا چار سو پھیلا ہوا تھا۔ ایک طویل قطعہ زمین جس پہ آگے لاتعداد درختوں اور جھاڑیوں نے اسے جنگل کا روپ دے ڈالا تھا۔ جیپ وہیں آ کے تھم گئی تھی۔ کھٹاک کھٹاک دروازے کھلے اور شفق کی لالی سے طلوع ہوتے سورج کے ساتھ وہ چاروں بھی جیپ سے باہر نکلے۔

"اس سیاپے کا کیا کرنا ہے؟ کہو تو واپسی پہ ندی میں پھینک آؤں؟" راجو کا اشارہ ہنوز بے ہوش دیا کی جانب تھا۔ لہجہ خار کھایا ہوا تھا جو واضح کرتا تھا کہ اس کا موڈ ابھی درست نہیں ہوا۔

خلیفہ نے پلٹ کر سرد' مگر تادیبی نظروں سے راجو کو دیکھا تھا۔ وہ ایک دم ہونٹ بھینچ گیا۔ ایسی تادیبی نظروں کا مطلب تھا' اس سے آگے نہیں بڑھنا۔ وہ سب ہی مستقیم کی اس نظر سے خائف رہا کرتے تھے۔

مستقیم نے اس موڈ کے ساتھ آگے بڑھ کر کھلے دروازے سے جھک کر دیا کو احتیاط اور نرمی کے ساتھ اپنے ہاتھوں میں اٹھا لیا۔ امانت کے ساتھ ساتھ حسام اور راجو کو بھی گویا سانپ نے سونگھ لیا تھا۔ وہ برسوں قبل کا وہ واقعہ ابھی تلک بھولے نہیں تھے' جب صائمہ بائی نے جو اس پہ دل و جان سے فدا ہو گئی تھی' اسے اپنے دام میں پھانسنے کی کوشش کی۔ ناکام ہو کر ایک رات جب ان کے ہاں عیش و طرب کی محفل عروج پہ تھی۔ صائمہ رقص کرتے ہوئے بڑھ کر مستقیم کے گلے لگ گئی تھی۔ وہاں موجود لوگوں کی سیٹیوں اور قہقہوں کا گلا اس وقت گھٹ گیا تھا' جب مستقیم نے صائمہ کو ایک جھٹکے سے الگ کر کے ایک زناٹے دار طمانچے سے اس کے حواس ٹھکانے لگائے تھے۔

"یہ تھپڑ آئندہ بھی تمہیں میرے قریب آنے سے روکتا رہے گا۔ ہر کوئی نفس کا اتنا غلام نہیں ہوتا کہ تم جیسی عورتوں کے ہاتھوں کھلونا بن جائے۔" ایک ایک لفظ پھنکار پھنکار کر کہتا' وہ تن فن کرتا وہاں سے چلا گیا تھا اور اپنے پیچھے سناٹے چھوڑ گیا تھا۔ صائمہ وہاں موجود دیگر لوگوں کی دل جوئی اور ہمدردی کے باوجود بھڑکی رہی تھی اور وہ محفل بدمزگی کے باعث یوں ہی ختم کر دی گئی۔ راجو بعد میں مستقیم پہ بہت خفا بھی ہوا تھا۔

مستقیم نے جھک کر دیا کو احتیاط اور نرمی کے ساتھ اپنے ہاتھوں میں اٹھا لیا۔

"کیا کرو گے اس لڑکی کا؟" وہ امانت کے ہمراہ درختوں اور کانٹے دار جھاڑیوں سے بچتا ہوا جنگل عبور کر رہا تھا۔ جب امانت نے اچانک سوال کیا۔ وہ چونکا' پھر مسکرا دیا۔

”اسے تمہاری بھابھی بنانے کا ارادہ کر چکا ہوں۔ یہ تم سب کے لیے قابل احترام ہے۔ باقیوں کو بھی بتا دینا۔“ اس نے اپنی بات مکمل کی اور جنگل کے وسط میں درختوں کو کاٹ کر بنائی گئی اپنی رہائش گاہ کے بند دروازے کو کھول کر اندر چلا گیا۔ امانت حیرت اور غیر یقینی سے وہیں ساکن کھڑا رہ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

اس کی آنکھ کھلی تو کتنی دیر تک لیٹے ہوئے غائب دماغی کی کیفیت میں ماحول کی اجنبیت کو تکتی رہی۔ اسے قطعی یاد نہ آسکا وہ کہاں ہے یا اس کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ اس نے خفیف سی حرکت دے کر چہرے کو گھمایا۔ وہ سنگل نواڑی پلنگ تھا جس پہ گلابی پھولوں والی سفید چادر بچھی ہوئی تھی۔ اسی بستر پہ وہ چت لیٹی تھی۔ کمرے کی دیواروں حتیٰ کہ چھت پہ بھی سفید رنگ پھیرا گیا تھا جو کہیں کہیں سے اکھڑ چکا تھا اور اس کے پیچھے پلستر کی بجائے لکڑی کے مضبوط تختے کیلوں کی مدد سے جڑے نظر آتے تھے‘ کمرے کا اکلوتا دروازہ مضبوطی سے بند تھا۔ دروازے کے ساتھ درمیانے سائز کی میز پہ ایک ٹرے رکھی تھی۔ جسے سفید رومال سے ڈھک دیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ کمرے میں ایسی کوئی چیز نہیں تھی جس پہ اس کی نگاہ ٹھہرتی۔

اس کے حواس جاگے تو یادداشت کے پردے پہ وہ دھندلے سے عکس لہرا گئے۔ وہ دھیرے دھیرے سہی‘ مگر خود پہ بیت جانے والی قیامت سے آگاہ ہوئی تو ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھ گئی۔ اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں وحشت اور بے بسی کے احساس سمیت نمی بھی تیزی سے پھیلی تھی۔ یہ دیکھ کر اس کا دل اندر ہی اندر ڈوب گیا کہ اس کا دوپٹا اس کے پاس نہیں تھا۔ اس نے سراسیمگی کے عالم میں خود کو سمیٹا اور خوف زدہ نگاہوں کو دوپٹے کی تلاش میں دوڑایا جو اسے پلنگ کے سرہانے پڑا نظر آگیا تھا۔ اس نے جھپٹ کر دوپٹا اٹھایا اور خود کو اچھی طرح ڈھانپ لیا۔ پھر بستر سے اتر کر دروازے کی طرف لپکی۔ دروازہ یقیناً باہر سے بند تھا۔ جسے کھٹکھٹاتے اور مسلسل پکارتے وہ ہچکیوں سے رونا شروع کر چکی تھی اور جب اس کا گلا مسلسل چیخنے اور رونے سے چھل گیا تھا‘ تب اس نے اس روتے ہوئے اترتے سناٹوں میں کسی کے قدموں کی آہٹ سی محسوس کی۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھل کے پیچھے ہٹتی‘ ہلکے سے کھٹکے سے دروازہ کھل گیا۔

وہی طویل قامت تھا‘ جس کی آنکھوں میں ایک نگاہ ڈال کر وہ سہم گئی تھی۔ اس پل بھی اسے دیکھ کر خائف ہو گئی۔ وہ گہری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”ک۔۔۔ کون ہو تم؟ مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟“

”جو کسی کے گھر میں بنا اجازت گھس جائے‘ لوگ اسے ڈاکو کہتے ہیں۔ ہاں! نام میرا مستقیم ہے۔ ”کیوں لایا ہوں“ کا جواب ہے‘ شاید تم اچھی لگیں مجھے۔“ وہ اطمینان و سکون سے کہتا مبہم سا مسکرایا اور پلنگ پہ ٹک کر پھر اسے بغور تکنے کا شغل فرمانے لگا‘ کیا شاہانہ انداز گفتگو تھا۔ دیا کے اندر غیظ و غضب اور اشتعال کی ایک زوردار لہر اٹھی۔

”گھٹیا‘ خبیث انسان! تم جیسوں کو تو لفظ عزت و حرمت کے لیے بھی معلوم نہیں ہوں گے۔ نفس کے اگر اتنے ہی غلام ہو تو پھر کسی ایسی جگہ کا در کھٹکھٹایا ہوتا‘ جہاں تم جیسے لوگ اپنی ہوس پوری کرنے جاتے ہیں۔“ بے بسی اور لاچاری کی انتہاؤں پہ پہنچ کر وہ چیخ پڑی تھی۔ جبکہ دوسری طرف اسی درجہ اطمینان کی کیفیت تھی۔

”مگر مجھے کوئی ایسی ویسی نہیں‘ ایک شریف زادی چاہیے تھی۔ اطمینان رکھو میں شادی کروں گا تم سے۔“ اپنے تئیں اس نے دیا کو مطمئن کیا‘ مگر اسے تو گویا آگ لگ گئی تھی۔

”میں تھوکنا بھی پسند نہیں کرتی تم پہ‘ دو ٹکے کے انسان! اوقات ہے کیا تمہاری؟“ اس ڈھٹائی کے اعلیٰ مظاہرے نے دیا کا دماغ سلگا دیا تھا۔

مستقیم کو خود پہ ضبط کرنا پڑا۔ احساس توہین نے اس کا چہرہ ایک دم سرخ کر ڈالا۔

”دیکھو لڑکی! کیا نام ہے تمہارا۔۔۔“

”جو بھی ہو‘ تم سے مطلب؟ بس مجھے واپس چھوڑ کے آؤ۔“ وہ جواباً پھاڑ کھانے کو دوڑی۔

”واپسی کو بھول جاؤ۔ مستقیم ایک مرتبہ جس چیز کو نگاہ بھر کے دیکھ لے‘ جس چیز کی انجانے میں بھی خواہش کر لے‘ وہ چیز اس کی ہو جاتی ہے۔“ دیا کے اعصاب پہ کوئی بم سا پھٹا تھا۔ مگر وہ خود کو اس لمحے کمزور ثابت کرنا نہیں چاہتی تھی۔

”میں کوئی چیز نہیں ہوں‘ جیتی جاگتی انسان ہوں‘ تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ مجھے واپس چھوڑ آؤ‘ ورنہ تمہارے حق میں بہت برا ہو گا۔“ اس کے لہجے میں تنبیہ تھی۔ جسے محسوس کر کے مستقیم مسکرایا۔ اس کی مسکراہٹ ایسی ہی تھی جیسے کوئی بڑا کسی بچے کی بات پہ مسکرا دے‘ دیا نے اس کی مسکان کو سمجھا اور ہونٹ بھینچ لیے۔

مستقیم اپنی جگہ سے اٹھا اور نپے تلے قدم اٹھاتا ہوا اس کے نزدیک آگیا۔ دیا اسے اپنی جانب بڑھتے دیکھ کر اضطراب کی کیفیت میں غیر شعوری طور پہ الٹے قدموں پیچھے ہٹتی دیوار سے جا لگی تھی۔ اب اس کے اور مستقیم کے بیچ فاصلہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ وہ سانس روکے آنکھیں پھیلائے ساکن سی بے بسی سے اسے تکنے لگی۔

”تمہاری واپسی کے سارے راستے بند ہو گئے ہیں۔ ساری کشتیاں جل گئی ہیں۔ واپسی کو بھول جاؤ۔ اب تمہاری زندگی مجھ پہ شروع ہو کر مجھ ہی پہ ختم ہوتا ہے۔ بہتر ہے کہ ہنسی خوشی اس حقیقت کو تسلیم کر لو‘ ورنہ مجھے اپنی بات زبردستی منوانا پڑے گی۔ اس لیے کہ پہلی بار تو مجھے دل نے اکسایا ہے کہ کسی سے محبت کروں۔“ بات کے اختتام پہ وہ مسکرایا‘ جبکہ دیا کے آنسو بہہ نکلے تھے۔ مستقیم نے اسے روتے دیکھا اور گہرا سانس کھینچ کر فاصلہ بڑھا دیا۔ وہ پلٹ کر جا رہا تھا‘ جب دیا بھاگ کر اس کے راستے میں آئی تھی۔

”دیکھو! یہ ظلم مت کرو۔ تمہیں تمہاری سب سے عزیز ہستی کا واسطہ ہے۔ رحم کرو مجھ پہ۔ میں یہ ذلت برداشت نہیں کر سکتی‘ مر جاؤں گی میں‘ مر جاؤں گی۔“ وہ بچوں کی طرح سے ہچکیاں بھر کے روتے ہوئے اب اس کی منت سماجت پہ اتر آئی تھی۔

”مستقیم اتنا بے وقعت تو نہیں ہے کہ اتنی چاہت اور محبت سے کسی کو اپنانے کی خواہش کرے اور وہ یوں بے اعتنائی اور نخوت سے منہ پھیرے۔ تمہیں میری اہمیت کا اندازہ نہیں ہے۔“ اس کے لہجے میں توہین کے احساس نے تپش سی پیدا کر دی تھی۔

”میں بھی اتنی ارزاں نہیں ہوں کہ تم مجھے اپنے نفس کی تسکین کی خاطر اٹھا لاؤ اور میں اسے اپنی خوش بختی سمجھ کر قہقہے لگاؤں۔۔۔ اور تمہاری اہمیت کا اچھی طرح اندازہ ہے مجھے۔ ایک ڈاکو کی حیثیت کیا ہوتی ہے جاننا چاہو گے؟ نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں لوگ تمہیں اور ایسا کرنے میں وہ بالکل حق بجانب ہیں۔ تم اسی قابل ہو۔“ وہ کسی آتش فشاں لاوے کی طرح پھٹ پڑی۔

مستقیم نے اس کے لہجے کی تحقیر کو محسوس کیا اور جیسے ایک دم اندر سے ڈھے گیا۔ ہاں! یہی تو تھی اس کی حقیقت‘ یہی تھا وہ تلخ سچ جسے وہ ایک عرصے تک ہضم نہیں کر پایا تھا اور ان چند سالوں میں جب بھی کسی نے اس کے سامنے آئینہ رکھا تھا‘ وہ اپنی صورت کی سیاہی برداشت نہیں کر پاتا تھا۔ اس وقت بھی احساس ذلت کے سبب جیسے اس پہ خون سوار ہو گیا۔ بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ اس نے ایک زناٹے دار تھپڑ دیا کے گال پہ دے مارا تھا۔

”آئی ڈونٹ کیئر۔ سو بار دیکھیں وہ مجھے نفرت کی نگاہ سے۔ مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں خدا نہیں جوتے کی نوک پہ رکھتا ہوں‘ مگر تم۔۔۔ تم۔۔۔ تم مجھ سے محبت کرو گی۔۔۔ ضرور کرو گی‘ اس لیے کہ میں ایسا چاہتا ہوں اور جو میں چاہوں‘ ویسا ہونا ضروری ہے‘ ورنہ میں آگ لگا دیا کرتا ہوں‘ ہر اس شے کو جو میری مرضی کے مطابق نہ ہو۔ میں تمہیں بھی جلا ڈالوں گا‘ سنا تم نے؟“ وہ یقیناً حواسوں میں نہیں رہا تھا۔

وہ رونا بھول کر سہمی نظروں سے اسے تکنے لگی۔ پورا جسم خزاں رسیدہ پتے کی طرح سے کانپنے لگا تھا۔

"میں کل تک کا وقت دیتا ہوں تمہیں، اچھی طرح سوچ لو۔ پھر فیصلہ کرنا۔ مگر یاد رکھنا! فیصلہ میرے حق میں ہونا چاہیے اور میں کل ہی تمہارے پاس آؤں گا' کھانا رکھا ہے کھا لینا۔" وہ پلٹ کر باہر نکلا اور دروازہ بند ہو گیا۔

دیا کو لگا اس کے وجود کو آہنی زنجیروں سے جکڑ دیا گیا ہو۔ وہ اپنی مرضی سے جنبش تک نہ کر سکتی ہو۔ یہ احساس اتنا شدید تھا کہ وہ بے ساختہ و بے اختیار گھٹ گھٹ کر روتی چلی گئی تھی۔

☼ - ☼ ☼

وہ نیم تاریک کمرا تھا، جس کی واحد کھڑکی باہر کی طرف سے بند تھی۔ اسے وہاں محصور ہوئے کتنا وقت بیتا تھا۔ وہ حساب رکھنا بھی چاہتی تو کامیاب نہیں ہو سکتی تھی۔ اس دوران کئی بار اس کے لیے کھانے کی ٹرے لائی گئی۔ لانے والا ہر بار مستقیم ہوتا تھا۔ وہ ہر بار اسے دیکھ کر نفرت سے منہ پھیرتی رہی' یہاں تک کہ وہ پلٹ کر چلا نہ جاتا۔

اس وقت بھی وہ اس کے لوٹ جانے کی منتظر تھی کہ وہ قدم بڑھاتا اس کے نزدیک آ گیا۔ دیا اپنی جگہ سمٹی اور اپنے دوپٹے کو کچھ اور بھی مضبوطی سے جکڑ لیا' وہ اس کی موجودگی میں لہو کو سوکھتا محسوس کرتی تھی۔ اسے اس وحشی درندے سے بہرحال کوئی اچھی امید نہیں تھی۔

"کیا فیصلہ ہے تمہارا؟" وہ اس پہ نگاہیں ٹکا کر اس کے ستے ہوئے چہرے کو بغور تکتا ہوا بولا۔ جواب میں خاموشی تھی' وہ سلگ اٹھا۔

"چلو! کھانا کھاؤ۔" اس نے اتنی زور سے اس کا دوپٹا کھینچا کہ وہ بھی ساتھ گھسیٹتی آئی۔ اس کی آنکھیں خوف کی زیادتی سے پھٹ سی گئیں۔

"نہیں کھاؤں گی۔" اس کے آنسو بہہ نکلے' مستقیم جھنجلا اٹھا۔

"پاگل پن مت کرو۔ کھانا کھا لو۔ میں نے کہا ہے نا' تمہاری کشتیاں جل گئی ہیں۔"

"پھر مجھے بھی جلا دو۔ مار ڈالو مجھے بھی۔" وہ ضبط گنوا کر زور' زور سے رو پڑی۔

"کوئی خود کو بھی نقصان پہنچاتا ہے پگلی! تم تو زندگی کی نوید ہو میرے لیے۔ اتنا بے بس کر دیا مجھے کہ تمہارے بغیر جینے کا تصور محال لگا' جب ہی تو ساتھ لے آیا تمہیں۔" وہ بہت توجہ' بہت محبت سے اس کے آنسو پوروں پہ چننے لگا۔ وہ بدک کر فاصلے پہ ہو گئی۔

"مت چھوؤ مجھے اپنے ناپاک ہاتھوں سے۔ مار ڈالا تمہاری اس حرکت نے مجھے۔ ساری زندگی خود سے نگاہ نہیں ملا سکتی۔ جانے دو مجھے۔" وہ اور شدتوں سے رو پڑی۔ مستقیم نے ہونٹ بھینچ لیے۔

"ٹھیک ہے! اب میں تب ہی تمہیں چھوڑوں گا جب تم مجھ پہ حلال ہو جاؤ گی۔ آج شام کو نکاح ہے ہمارا' تیار رہنا۔" وہ بھاری لہجے میں بولا۔

دیا ایک دم سن پڑنے لگی۔ مستقیم نے اس کے خوف زدہ سے تاثرات دیکھے اور ہنس پڑا۔

"کم آن یار! شادی کا مژدہ سنایا ہے۔ تم تو ایسے پیلی پڑ گئی' جیسے خدانخواستہ دار پہ چڑھانے کی بات کہہ دی ہو۔"

"تمہیں کیا پتا' یہ دار پہ چڑھنے کے ہی مترادف ہے' کاش! ان حالات سے دوچار ہونے سے پہلے ہی میں مر ہی جاتی۔" زار و قطار رونے لگی۔

"اب بس بھی کرو یہ رونا دھونا اور اپنی شادی کی تیاری کرو۔ مجھے رات کو فریش دلہن چاہیے۔" اس کی بات پہ وہ ایک دم رونا بھول گئی اور خونخوار نظروں سے اسے دیکھا۔

"کس نے دلائی یہ خوش فہمی تمہیں کہ میں اس سرنڈر کے لیے تیار ہو گئی ہوں؟ میں تمہارے مذموم ارادوں کو کبھی کامیاب نہیں ہونے دوں گی' سمجھے تم؟"

"کیا کرو گی؟ تم کر بھی کیا سکتی ہو؟ مثلاً..." اس کے ہسٹریک ہو کر چلانے کی پروا کیے بغیر وہ تاؤ دلاتی مسکان ہونٹوں پہ سجا کر بولا تو دیا بل کھا کر تنتناتے ہوئے آگے بڑھی اور زور سے اسے دھکا دیا۔ مستقیم اس حملے کے لیے تیار نہیں تھا۔ ذرا سا لڑکھڑایا۔ اس کا دھکا لگنے سے اس کے پیچھے پڑی میز پہ دھرا گل دان زمین بوس ہو کر دو ٹکڑوں میں تبدیل ہو گیا۔ دیا نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر کسی خیال سے اس کی آنکھیں ایک دم چمک اٹھیں اور اگلے لمحے اس میں جیسے پارہ بھر گیا تھا وہ بجلی کی سی تیزی سے حرکت میں آئی اور جھک کر ٹوٹے ہوئے گل دان کا ایک نوکیلا ٹکڑا اٹھا لیا۔ اس سے پہلے کہ مستقیم اس کے ارادے کو جانتا' وہ اپنی کلائی انتہائی بے دردی سے کاٹ چکی تھی۔

یہ سب کچھ لمحے کے ہزارویں حصے میں ہوا تھا۔ مستقیم تو اس کی کلائی سے فوارے کی طرح ابلتے خون کو دیکھ کر بھونچکا رہ گیا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ اس تک پہنچتا' دیا نے اپنی دوسری کلائی بھی اسی انداز میں ادھیڑ ڈالی۔ مستقیم کا سکتہ ٹوٹا اور وہ اس پہ جھپٹا اور اس کے ہاتھ کو اپنی گرفت میں جکڑنے کے بعد ایک زور کا جھٹکا دیتے ہوئے بھنچے ہوئے لہجے میں بولا۔

"یہ کیا کر لیا بے وقوف لڑکی؟"

"ختم کر لوں گی خود کو' مگر تمہارے سامنے شکست تسلیم نہیں کروں گی۔" وہ ہذیانی انداز میں چلائی۔

مستقیم ایک دم ہونٹ بھینچ کر اس کی زخمی کلائیاں دیکھنے لگا۔ پھر اس کے زخموں پہ اپنے ہاتھ جما کر اس نے چیختے ہوئے امانت کو پکارا تھا' پھر اسے دیکھ کر ہارے ہوئے لہجے میں بولا۔

"اتنی نفرت کرتی ہو مجھ سے؟"

"اس سے بھی زیادہ۔" وہ پھنکار کر بولی اور مستقیم اس کے چہرے کو دیکھتا رہ گیا۔ جہاں نفرت تھی' بے رحمی تھی۔

"اس کے زخموں کی مرہم پٹی کر دو امانت۔" امانت کے اندر آنے پہ اس نے ٹھہری ہوئی آواز میں کہا اور خود فاصلے پہ جا بیٹھا۔ امانت کسی معمول کی طرح حکم کی تعمیل کرنے لگا تھا۔ جبکہ دیا نے شاید اس لیے مزاحمت نہیں کی کہ تسلسل سے بہتے خون نے اس پہ خوف اور نقاہت طاری کر دی تھی۔

"ٹھیک ہے! میں بھی جبر کا قائل نہیں ہوں' مگر کچھ کھیل جبر میں لطف دیتے ہیں۔ مجھے چھیننا جھپٹ لینا برا نہیں لگتا۔ یہ میرا پیشہ بھی ہے تم جانتی ہو نا...." اس کا لہجہ سرد تھا۔ دیا کو اپنے حلق میں کچھ اٹکتا محسوس ہوا تو وجود پہ برف گرتی ہوئی...

"کیا مطلب....؟" وہ ایک دم ہراساں ہوئی۔ خلیفہ نے ایک بھرپور اور معنی خیز نگاہ اس کے سراپے پہ دوڑائی۔

"یہاں ہمارے اس ٹھکانے پہ ہر تیسرے دن میرے ساتھی یہ کھیل کھیلتے رہتے ہیں۔ میں بھی آج ہر صورت ان فاصلوں کو مٹانا چاہتا ہوں۔ بہت آزما چکیں تم میرا ضبط۔ میں تو نکاح کرنا چاہتا تھا' مگر شاید تم پابند ہونا پسند نہیں کرتیں۔ اب میں...." اس کی بات پوری ہونے سے قبل ہی وہ ضبط اور حوصلے گنوا کر پھپھک کے رو پڑی تھی۔

"یا اللہ! اتنا بڑا امتحان.... میں مر کیوں نہیں گئی۔ کون سا گناہ کیا تھا جس کی ایسی کڑی سزا... اتنی سخت آزمائش۔"

مستقیم نے ہونٹ بھینچ کر اسے روتے دیکھا' پھر رسانیت سے بولا۔

"اس لیے کہتا ہوں نکاح کر لو مجھ سے.... کم از کم ضمیر کے بوجھ سے تو آزاد رہو گی۔ ورنہ تم مجھے من مانی سے تو نہیں روک سکتیں۔"

وہ یوں ہی روتی رہی تھی' مگر اب کی مرتبہ آنسوؤں کی روانی میں اس کی شکست کا رنگ تھا۔ جسے مستقیم جیسے زیرک انسان نے محسوس کیا اور چہرے پہ فتح مندانہ مسکان بکھر گئی۔

☼ ☼ ☼

کہتے ہیں کسی بھی شریف انسان کے پاس سب سے

قیمتی شے اس کی عزت ہی ہوتی ہے۔ وہ بھی اسی عزت کو بچانے کی خاطر نکاح پہ آمادہ ہو گئی تھی۔ وہ کام جس کا عام حالات میں اس کے نزدیک تصور بھی محال تھا، مگر اب اسے ہتھیار ڈالنے پڑے تھے مستقیم کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ نکاح کے بعد مستقیم اٹھ کر باہر چلا گیا۔ کچھ دیر بعد اس کی واپسی ہوئی تو کھانے کی تازہ ٹرے اس کے ساتھ تھی۔

"کیوں ہلکان کر رہی ہو خود کو، دیکھو! جب انسان کے پاس اپنی پسند کا اختیار باقی نہ رہے تو اسے خود کو حالات اور تقدیر کے سپرد کر دینا چاہیے۔ مجھے تم اپنے لیے ایک بالکل مختلف انسان پاؤ گی۔" "چلو! کھانا کھاؤ وہ اس کے آنسو دیکھ چکا تھا جب ہی بہت پیار اور محبت سے بولا۔

وہ ہرگز کھانا کھانے پہ آمادہ نہیں تھی، مگر محض اس سے جان چھڑانے کی خاطر چند نوالے زہر مار کرنے پڑے۔

"بہت اچھی لگ رہی ہو اس طرح میرے احکامات کی تعمیل کرتی ہوئی۔" اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں شوخ ہنسی تھی۔ دیا کا دل بھر آیا۔ اس نے فوری طور پہ کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔

"پلیز! مجھے تنہا چھوڑ دو۔" بھرائی ہوئی آواز میں کہتی وہ ملتجی ہوئی تو مستقیم نے مصنوعی خفگی سے اسے گھورا۔

"نہ جی! ابھی تو سنگتوں کے موسم اترے ہیں۔ ابھی سے تنہائی کی باتیں مت کرو۔" اس کی چمکتی نگاہوں کی خیرہ کن چمک میں شوخ تقاضے لہرائے تو دیا کی جان ہوا ہونے لگی۔

"مم... مجھے ہاتھ لینا ہے...." جان چھڑانے اور اس کا دھیان ہٹانے کو اسے کچھ تو کہنا تھا۔

"امیزنگ.... اس کا مطلب، تمہیں مجھ سے بھی زیادہ جلدی ہے۔ گڈ! کہیں ابھی سے تو مجھ سے محبت نہیں کرنے لگیں؟" وہ بے حد و بے حساب شوخی سے بولا تو دیا کے رکے ہوئے آنسو بہہ نکلے مستقیم گہرا ٹھنڈا سانس بھر کے رہ گیا۔

اور جب اس نے ہاتھ لے کر سرخ رنگ کا بے حد اسٹائلش لباس پہنا، جو اور خیرہ کن چمک دمک لیے اس کے سراپے کی خوب صورتی، نزاکت اور دلکشی کو مزید بڑھا گیا تھا۔ مستقیم کو اس پر سے نگاہ ہٹانا دشوار ہو گیا۔

"مائی گاڈ! تم حسین ہو میں جانتا تھا مگر اس قدر حسین ہو، یہ تو ہرگز اندازہ نہیں تھا۔ وہ اس پہ جھک کر سرگوشی میں بولا اور اس کی نازک کمر کے گرد بازو حمائل کر کے اپنی پُر حدت پناہوں میں سمیٹ لیا۔ دیا بس خالی خالی نظروں سے اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

ایک کھلا میدان تھا جس کے درمیان آگ کا بڑا سا الاؤ روشن تھا۔ اونچی چار دیواری کی منڈیروں پہ ٹوٹے کانچ بکھرے تھے۔ ان کے پار دیو ہیکل درخت تاریکی میں ڈوبے ساکن کھڑے تھے۔ فضا میں جنگلی حشرات کی آوازوں کی ہیبت تھی۔ الاؤ پہ دو سالم بکرے بھونے جا رہے تھے۔ اور اطراف میں فلائنگ چیئرز ڈال کر گویا بیٹھنے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ مستقیم اسے اپنے ہمراہ لایا اور ایک کرسی پہ نرمی و احتیاط سے بٹھا دیا۔

"آج ہم نے رات کو خوب صورت بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔" امانت نے کہتے ہوئے فل سائز کے ڈیک کا بٹن آن کر دیا۔

"بھابھی! یہ گانا مستقیم کی طرف سے آپ کو ڈیڈی کیٹ کیا جا رہا ہے واضح رہے۔" امانت نے بھنگڑا ڈالتے ہوئے شوخی سے جتلایا اور ساتھ ہی مستقیم کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا۔ وہ بغیر کسی پس و پیش کے اس کے ساتھ بھنگڑے میں شامل ہو گیا۔

چنگے ہون یار تے ہر کوئی سڑدا اے
کچھ وی ہوئے ساڈا یار تے اے
کیوں ڈھولے دا کیوں ماہیے دا گلہ کراں
میں تاں لکھ واری بسم اللہ بسم اللہ کراں

وہ خالی نظروں سے اسے تکتی رہی، جو ایک سرمستی ایک وجدان کی کیفیت میں بھنگڑا ڈالتے ہوئے گا رہا تھا۔ دیا نے دیکھا وہ اپنے چاروں پانچوں ساتھیوں میں سب سے لمبا تھا۔ یقیناً "شادی کے سلسلے میں یہ اہتمام تھا کہ نہ صرف بالوں کی کٹنگ کرائی گئی تھی، بلکہ تازہ شیو بھی تھی اور صحیح معنوں میں اس کی شکل واضح ہو گئی تھی۔ دیا نے ذرا بغور دیکھنے پہ جانا، وہ اچھا خاصا وجیہہ تھا۔ دلکش نقوش، صاف ستھری رنگت، گفتگو کے انداز اس کے تعلیم یافتہ ہونے کی بھی چغلی کھاتے تھے۔ پھر کیا وجہ تھی، وہ اس راستے پہ دانستہ آ گیا یا کوئی اور محرک... وہ بنا چاہے، بنا خواہش اسے سوچے گئی۔

وہ ایک راہ داری سے گزر کر اسے جس کمرے میں لایا تھا وہ اس کمرے کی نسبت کشادہ تھا، جس میں اب تک دیا کا قیام رہا تھا، کمرا نیم تاریک تھا۔ جس کے دروازے سے قدم رکھتے ہی مستقیم نے نائٹ بلب روشن کر دیا تھا۔ جو عام نائٹ بلب کے مقابلے میں بہت کم روشنی دے رہا تھا۔ اتنی کم روشنی کہ کمرے میں دور تک دیکھا نہیں جا سکتا تھا۔ سامنے بستر پہ جانے کس رنگ کی چادر تھی کہ پورا بستر گلاب کی پتیوں سے ڈھکا تھا۔ کمرے میں گلاب اور موتیے کی مسحور کن مہک تھی۔ اس کا دل ایک دم گھبرانے لگا۔ وہ اتنی مضبوط اعصاب کی بھی نہ ہی خدا کی خاص ہستی۔ پھر اتنی آزمائش۔ اس کا دل اس ملال سے پھر سے سسکا تو دو موتی اس کے رخساروں پہ پھیل آئے جنہیں مستقیم نے دیکھا اور اس کے دونوں شانوں پہ ہاتھ دھر کے اپنے مقابل کر لیا۔

"ایسا مت کرو دیا۔ تم میری اندھیری زندگی میں واقعی روشنی بن کر داخل ہوئی۔ مجھے اس خوشی کو خوشی سے محسوس کرنے دو۔ میرے ساتھ اسی طرح ریلیکس فیل کرو۔ جیسے کوئی بھی نئی نویلی دلہن اپنے شوہر سے پہلی بار مل کر کر سکتی ہے۔ میں نے تمہیں جس طرح بھی حاصل کیا ہے، مگر اتنا یقین ہے کہ تمہیں اپنی محبت اور اپنی قربتوں سے نہال کر دوں گا۔ ایک بار بس تم میرے نام ہو جاؤ، پھر بے فکری ہی بے فکری ہے۔ میں نے اب تک کی زندگی میں ہر طرح کی عورت کو دیکھا ہے۔ پاس سے گزرنے والی عورت کا بھی شجرۂ نسب بتلا سکتا ہوں۔ جانتا ہوں، شریف عورت کچے رنگوں کی طرح نہیں ہوتی کہ ہاتھ دھوئے اور رنگ غائب۔ وہ تو جب رنگتی ہے تو گاڑھے رنگ میں رنگتی ہے۔ کبھی نہ اترنے والے پکے رنگ

تمہارے جیسی لڑکی کو اسی لیے تو شریک سفر کیا ہے میں نے کہ اس قسم کی عورت سے بے وفائی کا خطرہ نہیں ہوتا اور تمہیں پتا ہے، جب کوئی عورت کسی مرد سے بے وفائی کرتی ہے تو گویا مرد کی سب سے بڑی توہین کرتی ہے۔ اس کی بے وفائی اس بات کا اعلان ہوتی ہے کہ اس مرد میں کوئی کمی تھی، جو اس نے کسی دوسرے میں ڈھونڈنا چاہی اور کم از کم میں تو یہ توہین افورڈ نہیں کر سکتا تھا۔"

وہ کہتا رہا وہ صم "بکم" بیٹھی رہی گویا کچھ سنا ہو نہ سمجھا ہو۔ مستقیم نے اسے بغور دیکھا اور پھر مسکرا کر اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں کے پیالے میں لے لیا۔

"ادھر دیا! میری طرف۔ یار! اتنا بھی گیا گزرا نہیں ہوں۔ ایک دور تھا جب لڑکیاں مرتی تھیں میری وجاہت پہ۔" وہ کسی قدر شرارت سے کہہ رہا تھا۔ دیا کی آنکھوں کی سطح پہ چمکتی نمی گالوں پہ پھیل آئی جسے مستقیم نے ہونٹوں سے چن لیا تھا۔ پھر درمیانی فاصلے گھٹاتے ہوئے اس کے بے حد نزدیک آ گیا اور بوجھل سرگوشی اس کی سماعتوں میں انڈیلی تھی۔

"آج میری قربت میں رونے والی لڑکی آنے والے کل میں میری پناہوں میں آسودہ بھی ضرور ہو گی ان شاء اللہ۔"

اس کی ساری رات آنکھوں میں کٹی تھی۔ کروٹیں بدلتے بدن ٹوٹنے لگا تھا۔ گریہ وزاری سے آنکھیں جل رہی تھیں۔

یہ تھا اس کا نصیب؟

اس نے بارہا سوچا تھا اور جی چاہا تھا' دھاڑیں مار مار کے روئے کہ دل پہ بڑی غم کی سل ہٹ جائے۔ مستقیم کے لیے یہ قربت جتنی بھی سرشاری' آسودگی اور تسکین کا باعث ہو۔۔۔ اسے تو صرف ایک ہی احساس ملا تھا۔۔۔ پامالی کا احساس' وہ جیسے خود سے بھی نگاہیں چار کرنے سے قاصر تھی۔

فجر کا وقت اسے جاگتے ہوا مگر اس کے دل میں نماز کی ادائی کا خیال تک نہ آیا۔ یہ اس کا گمراہی کی طرف پہلا قدم تھا۔ حالانکہ شب کے اختتام پہ وہ ہمیشہ رب کی وحدانیت کا اقرار کرنے اٹھا کرتی تھی' مگر اس وقت خفگی کے بھرپور احساس سمیت پڑی' ہوٹی روتی رہی

قسمت سے شاکی ہوتی رہی اور پھر جانے کب سو گئی' یہ سوچے بغیر کہ اس کا رب ہمیشہ کی طرح آج بھی اس کا منتظر ہے کہ وہ مانگے اور وہ عطا کرتا چلا جائے۔ اسے مانگنے والے ہاتھ بہت محبوب ہیں۔

☆ ☆ ☆

"اس علاقے اور اس گھر کا میں بے تاج بادشاہ ہوں دیا! یہاں مستقیم کا حکم چلتا ہے۔ یہ سب کچھ مجھ سمیت تمہارا ہے' یہاں تم جیسے چاہو اپنی مرضی سے رہو۔ کسی کی مجال نہیں کہ مداخلت کر جائے۔" قطار در قطار تن کر کھڑے درختوں کے بیچ سے گزرتے ہوئے مستقیم نے اسے کہا تھا۔ وہ صبح اٹھ کر باقاعدگی سے جاگنگ کرتا تھا۔ آج زبردستی اسے بھی اپنے ساتھ گھسیٹ لایا تھا۔

"تمہیں پتا ہے دیا! محبت اپنا آپ ضرور منواتی ہے۔ مجھے یقین ہے میں ایک دن تمہیں اپنی محبت سے جیت لوں گا۔" وہ چلتے چلتے رکا اور اس کے سامنے اس کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ دیا نے اسے دانستہ نظر انداز کیا اور کترا کر نکلنا چاہا' مگر وہ لپک کر پھر اس کے راستے میں حائل ہو گیا۔

"تم اپنے ہر راستے پہ مجھے اپنا منتظر پاؤ گی دیا!" وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر شوخی سے بولا تو دیا نے سپاٹ نظروں سے اسے دیکھا۔

"زندگی ہر مرتبہ تمہاری من پسند سوغات جھولی میں ڈالے' یہ ضروری نہیں۔ خوش فہمیوں کا دائرہ اتنا وسیع مت کرو کہ پھر مایوسی کا سامنا کر کے ٹوٹ پھوٹ کے مرحلے سے گزرنا پڑے۔ میں بتا چکی ہوں میرے دل میں تمہارے لیے ہرگز بھی کوئی گنجائش نہیں ہے اور ایسے شخص کو میں کبھی اپنی ذات سے خوشی دینے کا سوچ بھی نہیں سکتی' جس نے مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا ہو' میرے اپنے لوگ' میرے احساسات سے یہاں تک کہ میری شناخت بھی۔" دیا ایک دم سسک اٹھی اور وہ بے چین ہونے لگا۔

"مرجانے کی حد تک شرمندگی محسوس کرتی ہوں'

جب یہ خیال دامن گیر ہوتا ہے کہ میں ایک ڈاکو کی بیوی ہوں۔" وہ سسک سسک کر بے حال ہونے لگی۔ مستقیم کے دل میں عجیب سا درد کروٹیں لینے لگا۔ شاید وہ اس لڑکی کے ساتھ واقعی زیادتی کر گیا تھا۔ کوئی بھی باعزت لڑکی اس کی سنگت میں خوشی محسوس نہیں کر سکتی تھی۔

"تم حالات سے سمجھوتا بھی تو کر سکتی ہو۔ وہ لڑکیاں بھی تو سمجھوتا کرتی ہیں' جن کے سسرال سخت مزاج ہوتے ہیں۔ ان سے ان کے والدین اور سارے رشتے چھڑا دیتے ہیں۔ مگر وہ اپنے گھر کو بچانے کی خاطر یہ قربانی دیتی ہیں۔"

"مگر میں یہ قربانی کیوں دوں؟ کیوں کروں یہ سیکری فائز؟ مجھے تم نے میرے والدین سے مانگا؟ عزت سے بیاہ کر لائے؟ تم نے اغوا کیا ہے مجھے۔۔۔ لوٹا ہے مجھے۔ میرے بابا' امی' دادی' بھائی اور بہن کیسے تڑپتے ہوں گے میرے نام سے انہیں صبر نہیں آتا ہو گا۔ لوگوں کی نظریں ان کی باتیں کیسے سہی ہوں گی انہوں نے۔۔۔ ان باتوں کا تمہیں کیا اندازہ۔" وہ بھڑک اٹھی۔ مستقیم ہونٹ بھینچے اسے دیکھتا رہا' پھر کچھ کہے بغیر واپسی کو پلٹا تو بے حد تھکا ہوا لگ رہا تھا۔

شام کے سائے گہرے ہونے لگے تھے۔ سردیوں کی مخصوص برفیلی ہوائیں صحن میں لگے درختوں کے پتوں کو بھی ٹھٹھرائے دے رہی تھیں۔ فضا کی نمی اس بات کا اعلان کر رہی تھی کہ رات کو بارش ہو گی۔ پلنگ پر وہ ڈبل پلائی کے کمبل میں دبکی تھی' مگر ٹھنڈ سے جسم پھر بھی اکڑا جاتا تھا۔ پہاڑی علاقوں کی سردی بڑی جان لیوا ہوتی ہے۔ مستقیم نے کچھ دیر قبل آتش دان میں لکڑیاں جلائی تھیں' جب ہی کمرے میں میٹھی میٹھی سی پر حرارت فضا کا تاثر قائم ہو گیا تھا۔

اس نے آنکھوں سے بازو ہٹا کر دیکھا۔ آتش دان روشن تھا اور ملگجے اندھیرے میں اس کی نارنجی آتشی روشنی بڑی خواب ناک لگ رہی تھی۔ اس نے کمبل ہٹایا اور بستر سے نکل کر ایزی چیئر پہ جا بیٹھی اور آگ تاپنے لگی۔ مستقیم جو جاگ رہا تھا' اسے اپنے پہلو سے اٹھتے محسوس کر کے کچھ بے چین سا ہوا۔

"مجھے کچھ دیر یہیں بیٹھنا ہے۔" اس نے جواباً" روٹھے پن سے کہا۔ وہ اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"کب تک؟ مجھے سونا بھی ہے۔"

"تو سو جاؤ۔ مجھے لوری سنا کر تو نہیں سلانا تمہیں؟" وہ جھلا اٹھی۔ مستقیم زور سے ہنس دیا۔

"اس سے بھی زیادہ بڑھیا کام کرتی ہو' جو مجھے خمار سے بھر دیتا ہے۔" اس کا گلابی مائل حسین و دلفریب نقوش سے سجا چہرہ اس کھلی بات پہ ایک دم دہک کر سرخ ہوا۔ اس نے بے اختیار چہرے کا رخ پھیر لیا۔ اس کی نظریں ہی ایسی تھیں' جو اسے سرتاپا رنگ دیتی تھیں۔

"یار! مجھے سلا دو' پھر وہاں بیٹھی رہنا۔" وہ اٹھ کر بیٹھتے ہوئے پکارا۔ دیا نے اسے گھورا۔

"پلیز! مجھے تنگ مت کرو۔ میں آل ریڈی ڈسٹرب ہوں۔" اس نے ناگواری سے کہا تو مستقیم نے ہونٹ بھینچ لیے۔ پھر اس نے دوبارہ اپنا تقاضا نہیں دہرایا اور کروٹ بدل کر لیٹ گیا۔

دیا اس کے سو جانے کا یقین کر کے ہی بستر پہ آئی تھی' مگر پھر بھی سکون سے نہیں سو سکی۔ وہ سوتے میں خراٹے لینے کا عادی تھا اور دیا بے آرام ہوا کرتی۔ اس وقت بھی اس کے خراٹے اسے کروٹیں بدلنے پہ مجبور کرتے رہے تھے۔ اسے ایک دم سے لائبہ یاد آ گئی۔

اس کی بات کو یاد کرتے اسے پتا بھی نہ چلا وہ کب رو پڑی تھی۔ اس کی دعا قبول ہو گئی تھی' وہ خراٹے لیتا تھا۔ دیا نے بے اختیار اسے دیکھا۔

"آہ کاش! یہ ٹال اینڈ ہنڈسم نہ ہوتا' مگر ایک مہذب انسان تو ہوتا۔" اس کا دل رو تا رہا۔ رونے سے دل کا بوجھ تھوڑا اترا۔ اس نے گیلی آنکھیں بے دردی سے رگڑ ڈالیں۔

"میں جتنا بھی رو لوں' تڑپ لوں' اب میری قسمت نہیں بدل سکتی۔" اس نے مایوسی و شغفر سے سوچا اور ایک بار پھر کروٹ بدلی۔ مگر مستقیم کے خراٹے اسے بری طرح زچ کر گئے تو جھنجلا کر اٹھتے ہوئے اسے دونوں ہاتھوں سے جھنجھوڑ ڈالا۔

"ک۔۔۔ کیا ہوا۔۔۔ خیریت؟" سرخ بڑی بڑی خمار آلود آنکھوں میں تشویش کا رنگ تھا' مگر ایک انکشاف بہت شدت سے دیا پہ ہوا کہ اس کی آنکھیں ضرورت سے زیادہ گہری اور خوب صورت ہیں۔ وہ بے اختیار نظریں چرا گئی۔

"کچھ نہیں۔"

"پھر جگایا کیوں ہے؟"

"خراٹے مت لو۔ مجھے نیند نہیں آ رہی۔"

"جو حکم سرکار! نہیں لیتے۔"

وہ مسکرایا اور اسے اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا۔ وہ ایک دم سٹپٹا گئی۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟ چھوڑو مجھے۔"

"سچی بتاؤ! اس وجہ سے نہیں جگایا؟ میں جانتا ہوں تم بہت نرم دل کی مالک ہو۔ مجھے اتنی سختی سے ڈانٹا تھا اب ازالہ کرنا چاہتی ہو نا؟ کہیں مجھ سے محبت سی تو نہیں محسوس کرنے لگیں؟" وہ اس پہ جھک کر بولا۔

دیا نے نگاہ اٹھائی۔ اس کا رکشش و جیہہ چہرہ بے حد

نزدیک تھا۔ شرارت سے چمکتی شوخ نگاہیں اور دل آویز مسکان سے سجے ہونٹ۔ اس کا لمبا چوڑا مضبوط وجود دیا کے سراپے پہ گویا چھا رہا تھا۔ اپنائیت آمیز محبت بھرا لہجہ' وہ ہمیشہ اسے بہت احتیاط اور نرمی سے چھوتا تھا' یوں جیسے وہ نازک آبگینہ ہو۔ اس کے باوجود اس پہ یہ گھڑیاں امتحان بن کر اترتی تھیں۔ اس پل بھی اس کا سانس دھونکنی کی مانند چلنے لگا۔ چہرے پہ جیسے اس پل اس کی قربت کی آنچ نے آگ دہکا رکھی تھی' جبکہ مستقیم پہ اس کے ہوش ربا حسن کی بجلیاں گراتا یہ گھبرایا' سٹپٹایا ہوا روپ سحر طاری کر رہا تھا۔

"مجھے معاف کردو' غلطی ہوگئی کہ تمہیں نیند سے جگا دیا۔" وہ بری طرح جھنجلا کر بدمزگی سے بولی تو مستقیم زور سے ہنسنے لگا۔

"ایسی خوب صورت غلطیاں بار بار کرنا۔ میں ہمیشہ خوشی سے ویلکم کہوں گا۔" وہ اس پہ جھک کر گنگنایا اور دیا نے کرب آمیز انداز میں آنکھیں سختی سے میچ لیں۔ وہ اس کی اذیت کو کبھی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ یہ دکھ صرف اس کا دکھ تھا۔ وہ تو ہر رات اپنی فتح کا جشن مناتا تھا۔ پامال تو وہ ہو رہی تھی' لمحہ لمحہ اذیت کی بھٹی میں سلگتی ہوئی وہ ایک عام سی نازک لڑکی جس کے سارے خواب جیسے جھلس گئے تھے۔ وہ اس کے کاندھے پہ سر رکھے' خاموش آنسو بہاتی پل صراط طے کرتی رہی۔

☆ ☆ ☆

لایعنی سوچیں اس کا دماغ خراب کرنے لگی تھیں' اپنی سوچوں سے پیچھا چھڑانے کو وہ گھبرا کر خود کو مصروف کرنے کی غرض سے کمرے کی صفائی کرنے لگی۔ بستر کی چادر جھاڑ کر بچھائی۔ فرنیچر پہ موجود گرد کو صاف کیا اور جھاڑو اٹھا کر فرش صاف کرنے لگی۔ اس کام سے فارغ ہوئی تو کمرے سے نکل آئی۔ اسے بہرحال مصروفیت چاہیے تھی جو اذیت ناک سوچوں سے چھٹکارا بخش دے۔ ایک طرف آہٹ محسوس کی تو راہداری عبور کر کے اسی سمت آگئی۔

اندر جھانکا تو اندازہ ہوا کچن ہے۔ کوئی پشت موڑے کھڑا جلتے ہوئے اسٹوو پہ کچھ پکانے میں مصروف تھا۔ وہ متوجہ کرنے کو دانستہ کھنکاری تو وہ بے ساختہ پلٹا۔ اسے دیکھا تو بوکھلا کر سلام کیا۔ وہ اٹھارہ بیس سال کا ایک درمیانے قد کاٹھ کا لڑکا تھا۔

"کیا کر رہے ہو؟" اس کے لہجے میں غیر محسوس انداز میں مالکانہ استحقاق در آیا' جسے خود اس نے بھی غالباً" محسوس نہیں کیا تھا۔

"میں بشیر ہوں جی۔ یہاں کھانا پکانے اور کپڑے و صفائی وغیرہ کی ڈیوٹی ہے میری۔"

"اوکے! اب تم کچن سے نکلو۔"

"جی۔۔۔؟" بشیر کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"میں کھانا بناؤں گی۔ فکر نہ کرو تمہاری نوکری نہیں چھوٹے گی۔ چوروں کے پاس حرام کا پیسہ بہت۔۔۔ تمہیں تنخواہ دیتے رہیں گے۔"

طنزیہ کہتی اسے کچن بدر کر کے خود اس کی جگہ پہ کھڑی ہوگئی۔ چولہے پہ موجود کوکر میں جھانکا' گوشت کا سالن بھننے کو تیار تھا۔ سالن بھوننے لگی۔ جب وہ کھنکھارتے ہوئے اندر چلا آیا۔ دیا نے کچھ چونک کر اسے دیکھا' مگر اگلے ہی لمحے اسے نظرانداز کرتی اپنے کام میں مصروف ہوگئی۔

"میں واپس آیا تو تم کمرے میں نہیں تھیں' گھبراہٹ میں ہر جگہ دیکھ ڈالی' تب بشیر نے بتایا تم یہاں ہو' اس مشقت میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے میری جان!" وہ لگاوٹ سے بولا۔

"یہ بدلا ہوا انداز' یہ کمپرومائزنگ اسٹائل کہیں مجھ سے محبت تو نہیں ہو رہی؟"

"قیامت تک آس لگائے بیٹھے رہنا' حسرت لیے ہی مرو گے۔" وہ پھنکارنے لگی۔ مستقیم کو یہ لفظی چھیڑ چھاڑ جتنا لطف دیتی تھی' وہ اسی قدر سلگتی۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی بات کرتا' بشیر نے مداخلت کی تھی۔

"صاحب! آپ کو امانت صاحب بلا رہے ہیں بڑے کمرے میں۔"

"افوہ! ظالم سماج کو کیسے خبر ہوگئی' میں اس وقت یار دلدار کے ساتھ ہوں۔" وہ بڑبڑاتا ہوا نکلا' تب دیا نے سکھ کا گہرا سانس بھرا تھا۔

☆ ☆ ☆

ابر آلود ہوتے موسم نے سردی کی شدت میں ایک دم اضافہ کر دیا تھا۔ گرد دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ اس نے گرم سوٹ پہ سویٹر اور گرم شال اوڑھی موزے چڑھائے اور باہر نکل آئی۔ وہ سب صبح دیر تک سونے کے عادی تھے اور کل تو ساری رات ہی مستقیم سمیت سب ویسے بھی غائب رہے تھے اور صبح لوٹے تھے۔ وہ جان سکتی تھی وہ کس مقصد سے گئے۔ دل میں نیا درد انگڑائی لینے لگا تھا۔ ایک اور گھر برباد ہونے والا تھا اور وہ کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔ بہت چاہا ذہن بٹ جائے' مگر وہ سوچ نہیں پائی تھی' ساری رات آنکھوں میں کاٹ دی تھی۔ رات کا آخری پہر بھی اختتام پذیر تھا۔ جب ان کی آہٹیں سنائی دی تھیں۔ مستقیم اپنے کمرے میں آیا تو اسے کھڑکی کی طرف رخ پھیرے دیکھ کر چونکا۔

"آج جلدی اٹھ گئیں تم؟" اس کے قریب آتے ہوئے مستقیم نے اس کے کاندھوں پہ ہاتھ رکھ دیے تھے۔ دیا نے رخ پھیرے بغیر محض گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"میں رات بھر نہیں سوئی ہوں؟" اس کے لہجے میں طنز نہیں' بے بسی تھی' لاچاری اور کرب تھا' مستقیم زور سے چونکا۔

"کیوں؟ ارے کہیں تم میری کمی تو نہیں محسوس کر رہی تھیں؟ یہ تو بہت اچھی تبدیلی ہے' یعنی تمہیں واقعی مجھ سے محبت ہونے لگی ہے۔" رات بھر جاگی نیند کے خمار سے سرخ ہوتی آنکھوں اور چہرہ جوش و مسرت سے تمتمایا' مگر دیا کا موڈ بہتوں آف رہا تھا۔

"کہاں گئے تھے تم؟" وہ اذیت کے پل صراط طے کرنے لگی۔

"یار! روزی روٹی کے وسیلے۔۔۔"

"بکواس مت کرو تم' بہت بڑے جھوٹے ہو۔ لوٹتے ہو لوگوں کو اور سمجھتے ہو تم نے یہ کمائی کی ہے۔" وہ پھٹ پڑی' مستقیم نے ایک نظر اسے دیکھا۔ وہ بستر کی طرف بڑھتے ہوئے بولا تھا۔

"تمہیں پتا ہے' آج ہم پولیس کے ہتھے چڑھتے چڑھتے رہ گئے۔ بڑی مشکل سے جان بچا کر آئے ہیں' ورنہ تم بیوہ بھی ہو سکتی تھیں۔" تکیہ سیدھا کر کے لیٹتے ہوئے وہ گویا اسے اپنے تئیں ہولناک خبر سنا رہا تھا۔

"کاش! ایسا ہو جاتا۔ کسی طرح سہی جان تو چھوٹتی تم سے۔" اس کا دماغ غم و غصہ کی زیادتی سے ابل رہا تھا۔ مگر مستقیم ایک دم ساکت ہو گیا تھا۔

"اتنی نفرت کرتی ہو مجھ سے؟" خاصی دیر بعد جب وہ بولا تو لہجہ عجیب سا تھا۔ دیا نے آگ اگلتی نگاہوں سے اسے دیکھا اور ہونٹ سکوڑ کر بولی تھی۔

"کیسے یقین کرو گے؟" اس کا لہجہ طنز کی آگ میں جھلسا ہوا تھا۔ مستقیم اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اپنی جینز کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک نسبتاً" چھوٹا' مگر جدید ریوالور نکال کر اس کے آگے بستر پہ پھینک دیا۔

"یہ لوڈڈ ہے' شاید اس وقت اس میں چار' پانچ گولیاں ہیں۔ تمہیں اجازت ہے' تم مجھے مار کر یہ حسرت پوری کر لو۔" وہ خطرناک حد تک سنجیدگی سے بولا۔ دیا نے نفرت سے سر جھٹکا۔

"مجھے اگر ایسا کرنا ہوتا تو پھر خود کو تمہارے ہاتھوں پامال ہونے دیتی؟" مستقیم کے چہرے کی رنگت متغیر ہونے لگی۔ اس نے بہت بے دردی سے ہونٹ کاٹے تھے۔

"میں نے نکاح کیا ہے تم سے دیا!" اس نے جیسے اپنا دفاع کیا۔

"ہاں! گن پوائنٹ پہ۔" وہ پھنکاری اور مستقیم لاجواب ہو کر رہ گیا تھا۔

وہ اسی غصیلے موڈ میں کمرے سے نکل گئی۔ کچن میں آکر ناشتا تیار کیا اور دوبارہ کمرے میں آگئی۔ وہ کروٹ

کے بل لیٹا شاید سو رہا تھا۔

وہ چادر اور جوتے پہن کر باہر آگئی۔ یہاں فطری حسن جابجا بکھرا ہوا تھا۔ سرو قامت سرسبز و شاداب درخت، ہری بھری گھاس، ڈھیر سارے جنگلی پھول، تاحد نگاہ پھیلی ہریالی، پرندوں کی سریلی آوازیں، پھولوں کی بھینی بھینی دلفریب خوشبو، سب سے بڑھ کر تنہائی اور خاموشی۔

وہ ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ دل بے حد اداس تھا۔ آنکھوں کے گوشے نم ہوتے جارہے تھے۔ زندگی کا ایسا رخ سامنے تھا جس کا ہر پہلو تکلیف دہ تھا اور وہ خود فراموشی کی چادر اوڑھنے کی کوشش میں ہلکان ہوئی جاتی، مگر حقیقت کی کرب ناکی ہر طرح سے اپنا احساس بخشتی تھی۔ اس کا جی چاہا کسی مہربان کاندھے پہ سر رکھ کے بہت سارا روئے۔ سکون نیند سب کچھ حرام ہوگیا تھا۔ کبھی کبھار یہ بے بسی ایسی منتقمانہ احساس میں ڈھلتی کہ اس کا جی چاہتا سچ مچ مستقیم کو قتل کردے۔ کیسا نفس پرست انسان تھا۔ خودغرضی، سفاکی اور بے حسی کی انتہا تھی اس ظالم و شقی کی کہ محض اپنے غرور کی بلکہ مردانگی کے غرور کی تسکین کی خاطر پسندیدہ ہستی کو جیسے بن سکا حاصل کرلیا۔ ملکیت کا ٹھپہ لگا کر اپنے سنہرے پنجرے میں قید کرلیا۔ فتح کے اظہار کے لیے غرور کی حد برتری کی انتہا کہ ایک جیتے جاگتے وجود کو استحقاق کی بیڑیوں میں جکڑ کر بے بس کردیا جائے، یہ ملکیت کا ظالمانہ طریق کار ہی اسے وحشت زدہ رکھتا، نفرت پہ اکساتا رہتا۔

"رونے کے لیے یہ جگہ کچھ ایسی محفوظ اور متاثر کن بھی نہیں کہ تم جب جی چاہے منہ اٹھا کر یہاں چلی آؤ۔ بتا چکا ہوں یہ جنگل خطرناک اور خونخوار قسم کے جانوروں سے بھرا پڑا ہے۔" سوکھے پتوں پہ پہلے اس کے قدموں کی آہٹ ابھری تھی، پھر خفا خفا سی آواز۔ دیا جھنجلا کر پلٹی۔

"تم میری جان کیوں نہیں چھوڑ دیتے ہو؟"

"اللہ سے التجا کرو، وہ سمیع الدعا ہے۔ جی کھول کر بددعائیں دو۔ اس بار بچ گئے ہیں، اگلی بار نہ بچ پائیں ہمیشہ کے لیے جان چھوٹ جائے گی۔" اس کے ہتک آمیز انداز پہ جو ابا" وہ بھی غصیلے موڈ میں بولا تو دیا نے سلگتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔

"اگر میری دعاؤں میں اثر ہوتا تو آج یوں قسمت کو نہ رو رہی ہوتی۔" اس کی بات پہ مستقیم نے ہونٹ بھینچ کر خود پہ ضبط کیا۔ پھر توقف سے دھیمے لہجے میں بولا تھا۔

"اندر چلو پلیز! میں بہت تھکا ہوں، اس وقت یہاں تمہارا پہرہ نہیں دے سکتا۔"

"تو مت دو، جاؤ سو جاکے میں ابھی نہیں جاؤں گی، کرلو جو کرسکتے ہو۔" وہ ہونٹ سکوڑ کر نخوت سے بولی تو مستقیم نے ہارے ہوئے انداز میں ٹھنڈا سانس کھینچا۔

"کرتو بہت کچھ سکتا ہوں، مگر کرنا نہیں چاہتا، ٹھیک ہے ظالم لڑکی! بیٹھو جب تک تمہارا جی چاہے، مجبوری ہے دل کا معاملہ جو ہوا۔"

وہ اس کے عین سامنے سفیدے کے چوڑے تنے سے ٹیک لگا کر ٹانگیں سیدھی کرکے تقریباً" نیم دراز ہوگیا، جبکہ دیا ایک پل کو ششدر ہوئی تھی۔ وہ گرم کپڑوں پہ سویٹر اور شال پہنے تھی، پھر بھی سردی اتنی شدید تھی کہ گویا ہڈیوں میں موجود گودے کو بھی جما رہی تھی۔ مگر وہ اس وقت جینز پہ صرف بنیان پہنے ہوئے تھا۔ یعنی جیسے تھا ویسے ہی اس کی تلاش میں اٹھ کر چلا آیا تھا۔ یقیناً" سردی تو اسے بھی لگ رہی ہوگی۔ مگر۔۔۔

"کیا یہ مجھ سے واقعی محبت کرتا ہے؟" اس نے پہلی مرتبہ اس نکتہ پہ سوچا اور کچھ عجیب سے احساسات کا شکار ہونے لگی اور محض اس سے دھیان ہٹانے کو رخ پھیر لیا۔ جانے کتنی دیر بیت گئی۔ پتا نہیں، وہ اپنا ضبط آزما رہی تھی یا اس کا۔

وہ اب چھینکنے لگا تھا۔ مگر استقامت۔ ہنوز اپنی جگہ تھی۔ آسمان پہ بادل گہرے ہورہے تھے۔ سورج کی جو جھلک نظر آئی تھی وہ مکمل طور پہ بادلوں کی اوٹ میں غائب ہوگئی۔ ہواؤں کی شوریدہ سری بھی بڑھنے لگی۔

اس نے خشک پتوں پہ سر سراہٹ سنی۔ مگر رخ نہیں پھیرا، مگر اس وقت اس کے حلق سے بے ساختہ کرب ناک چیخ نکل گئی تھی۔ جب کسی درخت کی شاخ سے لٹکتے بن مانس نے ایک دم اس پہ چھلانگ لگائی۔ وہ متوحش سی ہوکر پیچھے ہوئی تو توازن کھو کر نیچے سر کے بل گری۔ مستقیم جو اونگھنے لگا تھا چونک کر سیدھا ہوا اور صورت حال سمجھتے ہی بوکھلا کر بن مانس کی جانب دوڑا اور ساتھ ہی جیب سے پسٹل نکال لیا۔ اس سے پہلے کہ وہ فائر کرتا، بن مانس قلانچیں بھرتا، آن کی آن میں درختوں میں غائب ہوگیا۔

"چوٹ تو نہیں لگی تمہیں؟" مستقیم لپک کر اس کے نزدیک آیا تھا۔ وہ ابھی تک بدحواس تھی۔ مستقیم نے اسے سہارا دے کر اٹھنے میں مدد دی۔

"سوری! پتا نہیں کیسے آنکھ لگ گئی میری۔" وہ معذرت کررہا تھا۔ دیا نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ وہ اٹھنے کے بعد اپنے کپڑے جھاڑتے ہوئے خوف زدہ سی نگاہوں سے جنگل کی سمت دیکھ رہی تھی۔

"اندر چلو پلیز!" اس پہ ہنوز دہشت سوار تھی۔ مستقیم نے دھارس بندھانے کو اپنا ہاتھ اس کے شانے پہ رکھا تو جانے کس جذبے کے تحت وہ اس کے نزدیک ہوگئی۔ مستقیم نے خوش گوار حیرت میں گھر کر اسے دیکھا، مگر وہ متوجہ نہیں تھی اور کچھ سہمی ہوئی تھی۔ مستقیم اسے اپنے بازو کے حلقے میں سمیٹے اندر لایا تھا۔ مگر وہ اپنے کمرے کے دروازے پہ رک گئی۔

"تم اندر جاؤ، مجھے کچن میں کچھ کام ہے۔" وہ اس کی طرف دیکھے بغیر آگے بڑھ گئی۔ ٹرے میں ناشتے کے لوازمات سیٹ کرتے اس نے تازہ چائے بنائی تھی۔ جس وقت وہ ٹرے سمیت اندر آئی تو مستقیم کمبل میں دبکا، تقریباً" غنودگی میں جاچکا تھا۔ اس نے ٹرے ٹیبل پہ رکھ کر اس کا کمبل کھینچا۔ مستقیم نے سرخ دہکتی ہوئی آنکھیں ذرا کی ذرا کھول کر اسے دیکھا۔

"ناشتا کرلو پہلے، پھر سو جانا۔" وہ اس کی طرف سے نظریں چرا کر بولی۔ مستقیم نے سر کو نفی میں جنبش دی تھی۔

"مجھے سونے دو، بس بہت تھکن ہے۔"

"پہلے ناشتا کرلو۔ تمہیں بخار کب سے ہے؟" اب کی مرتبہ اس نے سارا کمبل گھسیٹ لیا۔ مستقیم کو ناچار اٹھ کر بیٹھنا پڑا تھا۔

"پہلے زخم لگاتی ہو، پھر مرہم رکھتی ہو، بہت انوکھی ہو تم۔" اس کے ہاتھ سے مگ لیتے ہوئے وہ اسے دیکھ کر ہنسا۔ دیا جانے کیوں جز بز سی ہوگئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔ اس نے یہ ہمدردی کس جذبے کے تحت کی ہے۔

"تم نے میری بات کا جواب کیوں نہیں دیا؟" وہ اپنا دھیان بٹانے کو بولی، مستقیم سلائس دانتوں سے کاٹتے ہوئے چونکا۔

"کون سی بات؟" اس کی سرخ ڈوروں سے سجی خواب ناک آنکھوں میں استعجاب تھا۔

"طبیعت کب سے خراب ہے؟"

"جب سے تمہیں دیکھا یار! میں سمجھتا تھا، تمہیں حاصل کرلوں گا، تو دل قرار پالے گا، مگر یہ بھی عجیب پاگل سا ہے۔ دیکھو! اب تمہاری محبت، تمہاری توجہ اور چاہت کا طلب گار ہے۔ ہے کوئی بات کرنے کی؟ دیوانے کا خواب۔" وہ پھر غیر سنجیدہ ہونے لگا۔ پڑی چھوڑنے لگا۔ دیا نے اسے خفگی سے دیکھا۔

"پھر فضول گوئی۔۔۔؟"

"ہاں! تم تو فضول گوئی ہی سمجھو گی۔ وہ کیا کہا ہے کسی شاعر نے اور خوب کہا کہ۔۔۔

"خاک ہوجائیں گے ہم، تم کو خبر ہونے تک"

تم سے بات کرنا تو گویا پتھر سے سر پھوڑنا ہے۔" دیا جھنجلا کر اٹھ گئی۔

وہ جھنجلا کر اٹھنے لگی تھی، جب بڑی سرعت سے مستقیم نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"یہ توجہ، یہ ہمدردی اور یہ احساس مندی۔ یار اگر میں خوش فہم نہیں ہوا تو یہ محبت کی ابتدا تو نہیں۔" وہ سر کھجا رہا تھا، مگر روشن آنکھوں میں آس کے کتنے

دیپ جل رہے تھے۔

دیا نے ہونٹ بھینچ لیے۔ وہ کتنی دیر منتظر رہا۔ مگر وہ کچھ نہیں بولی۔ یہاں تک کہ مستقیم کی آنکھوں میں جلتے آس کے سارے دیپ ایک ایک کر کے بجھ گئے۔

دوپہر کا کھانا بنا کر اس نے بشیر کو بتا دیا تھا۔ بشیر نے کھانا دوسرے کمرے میں دسترخوان پہ لگاتا تھا۔ وہ بہت کم امانت وغیرہ کے سامنے جاتی تھی۔ جب سے وہ یہاں آئی تھی اس حصے کی طرف وہ سب بھی آنے سے احتیاط برتا کرتے۔ بشیر کو بھی وہ ضرورت کے وقت آواز دیتی، تو ہی وہ ادھر آتا، ورنہ وہ بھی دوسرے حصے میں ہوتا تھا۔

گیلے ہاتھ دوپٹے کے پلو سے خشک کرتی وہ دروازہ کھول کر اندر آئی تو مستقیم کو ہنوز سوتے پا کر اسے عجیب سی وحشت ہونے لگی۔ دن ڈھل رہا تھا۔ وہ صبح کا سویا ہوا تھا، اس نے آگے بڑھ کر اسے آواز دی تو مستقیم نے بھاری آواز میں ہنکارا بھرا تھا۔ اسے کسی قدر سکون کا احساس ہوا۔

"اب کیسی طبیعت ہے؟" اس نے بے اختیار پوچھ لیا، مگر پھر پچھتائی۔

"قربت کی تیری پیاس ہے، ویسے تو ٹھیک ہوں
اک درد دل کے پاس ہے، ویسے تو ٹھیک ہوں

اگر ہو کچھ امید تو ہو جاؤں پرسکون
اک بے وجہ سی آس ہے ویسے تو ٹھیک ہوں"

اس کے لہجے میں خفیف سی شرارت، خفیف سی شوخی کے ساتھ ایک ان کہا سا درد بھی تھا۔ دیا نے کچھ دھیان سے اسے بغور دیکھا۔ اس کا لہجہ، اس کا انداز گفتگو، اٹھنے بیٹھنے کا انداز بارہا اسے چونکا تا تھا۔

"پڑھے لکھے لگتے ہو، اپنی کوالیفکیشن بتاؤ گے؟"

"مجھے ایک کپ چائے مل سکتی ہے؟"

"میں تمہاری نوکرانی نہیں ہوں۔" اپنی بات کو نظر انداز ہوتا دیکھ کر وہ فوراً سیخ پا ہو گئی۔ وہ آہستگی سے مسکرایا۔

"بیوی تو ہو نا؟"

"جس پہ مجھے شرمندگی ہے۔" وہ پھنکار کر بولا تو مستقیم کا چہرہ کچھ پھیکا سا پڑ گیا۔ ایک لفظ بھی منہ سے نکالے بغیر وہ اٹھ کر کمرے سے نکل گیا۔ دیا بعد میں بھی کتنی دیر تک سلگتی رہی۔

سالن بھونتے ہوئے اسے ایک دم زور کی ابکائی آئی تھی۔ ہانڈی کے نیچے آنچ بھی دھیمی کیے بغیر وہ منہ پہ ہاتھ رکھ کر کچن میں ہی سنک کے اوپر جھک گئی۔ صبح کچھ ایسا خاص کھایا پیا بھی نہیں تھا۔ اس کے باوجود قے تھی کہ رکنے میں نہیں آ رہی تھی۔ دیا کو لگا اس کی انتڑیاں بھی شاید منہ کے رستے باہر آ جائیں۔ بشیر جو کسی کام کی غرض سے ادھر آیا تھا۔ اسے یوں بے حال دیکھ کر الٹے قدموں بھاگا۔ اگلے چند لمحوں میں ہی مستقیم کسی قدر بدحواسی کے عالم میں دوڑتے قدموں سے اس تک آیا تھا۔ وہ یوں ہی سنک پہ جھکی تھی۔

"دیا! کیا ہوا میری جان؟" اس نے پیچھے سے اس کے وجود کو بازوؤں کے گھیرے میں لے کر اپنی طرف رخ پھیرا۔ سرخ چہرہ، آنسوؤں سے جل تھل تھا۔ وہ لمحوں میں جیسے بچھ کر رہ گئی تھی۔ مستقیم نے اپنے ہاتھ کی پشت سے اس کی آنکھیں اور گال پونچھے۔

"طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو کیا ضرورت تھی یہاں کھڑے ہو کر کام کرنے کی؟ اتنی بار منع کیا ہے تمہیں۔" وہ اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے نرمی سے جھنجلایا۔ دیا کو بے حد نقاہت محسوس ہو رہی تھی۔

"اندر چلو۔" وہ اسے یوں ہی ساتھ لگائے پلٹا تو دیا نے بے اختیار کمزور سی مزاحمت کی۔

"نہیں! سالن جل جائے گا۔ میں اب ٹھیک ہوں۔ ایسا تو کچھ دنوں سے ہو رہا ہے، اٹس اوکے۔"

اس کے بازو ہٹا کر وہ نحیف سی آواز میں بولی تو اس دوران پہلی بار زور سے چونکا اور بغور اسے دیکھا۔

"کیا ہو رہا ہے، کئی دنوں سے یعنی وومٹنگ؟" وہ کچھ بے چینی، کچھ اشتیاق کی ملی جلی کیفیت کے زیر

اثر بولا تو دیا نے اس کی بات پہ دھیان دیے بغیر سر کو اثبات میں جنبش دیا۔ ایک دم جوش مسرت سے مستقیم کے رخسار تمتما اٹھے۔

"اور کیا محسوس کرتی ہو، مثلاً" چکر وغیرہ؟" وہ اسے تھام کر زبردستی اندر لے آیا۔ دیا اس کے سوال پہ چونک گئی۔

"ہاں! مگر تمہیں کیسے پتا؟"

"مجھے ہی تو پتا ہے میری جان! تم میرے بچے کی ماں بننے والی ہو۔" وہ خوشی و انبساط سے جھوم گیا۔ جبکہ دیا کے اعصاب پہ جیسے کوئی طاقت ور بم پھٹا تھا۔ وہ ایک سکتے کی کیفیت میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے تکتی چلی گئی۔ مستقیم اس کے پتھرائے ہوئے انداز پہ دھیان دیے بنا ایک دم اٹھا۔

"میں سب کو بتاتا ہوں۔ آج تو جشن ہو گا۔"

اور دیا کا سکتہ ایک دم چھناکے سے ٹوٹ گیا۔

"بات سنو! ابھی کیا کہا تم نے؟" اس نے درشتی سے استفسار کیا۔ اسے ابھی بھی گویا اپنی سماعتوں پہ شبہ تھا۔ مستقیم اس سرخوشی کے انداز میں مڑا اور اس پہ دھیان دیے بغیر اسی جوش سے اس کے نزدیک آ گیا۔

"تمہیں بھی اچھا لگا نا؟ ہاں! یہ خبر ہی ایسی ہے کہ بار بار سننے کو جی چاہے۔ تو سنو مائی سویٹ ہارٹ! یو آر پریگننٹ۔" وہ اس کی گھبرائی سٹپٹائی آنکھوں میں جھانک کر ہنستے ہوئے بولا۔ دیا بے جان ہوتی ٹانگوں کے ساتھ ایک دم کھڑے سے نیچے بیٹھتی چلی گئی۔ مستقیم اس کے چہرے کی پیلی پڑتی رنگت کو دیکھ کر گھبرا گیا۔

"دیا! آر یو اوکے؟ تمہاری طبیعت زیادہ خراب ہو رہی ہے؟" وہ اس کے یکلخت سرد پڑ جانے والے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیتا ہوا بولا۔ وہ ایک دم دیوانوں کی طرح اسے پکڑ کر جھنجوڑنے لگی۔

"نہیں دیا! یہ سچ۔۔۔"

"نہیں چاہیے مجھے یہ بچہ۔۔۔ میں ایک ڈاکو، ایک لٹیرے کی نسل کو نہیں بڑھا سکتی۔ مجھے ایک سپنولیا نہیں جننا۔ کیا بنے گا وہ بڑا ہو کر۔۔۔؟ ایک چور۔ کیا پہچان ہو گی اس کی، ایک لٹیرے کی اولاد"۔ وہ اتنی وحشت، اتنی بے بسی سے روئی کہ اسے سنبھالنا دشوار ہو گیا۔

وہ خود اس پل شدید ذہنی کرب سے دوچار ہو گیا تھا۔ دیا کے الفاظ نوکیلے خنجر کی طرح اس کی رگ جاں میں اترے تھے اور بے دردی سے زخمی کر گئے تھے۔ ہونٹ بھینچے، ضبط کے کڑے، مراحل طے کرتے اس نے بپھری ہوئی موج کی طرح تڑپتی مچلتی دیا کو اپنے بازوؤں میں بھینچا اور بستر تک لے آیا۔ وہ رو، رو کر بالکل نڈھال ہو گئی تھی۔ جب ہی اس کے بازوؤں میں نیم بے ہوش سی ہو کر جھول گئی۔ مستقیم نے احتیاط سے اسے بستر پہ لٹایا اور کمبل اوڑھا دیا۔ وہ چہرے پہ آنسوؤں کے نشان لیے ہچکیاں بھرتی رہی۔ مستقیم اسے دیکھتے ہوئے اذیت کا شکار ہوتا رہا۔ پھر آہستگی سے پلٹا تو انداز میں تھکن نمایاں تھی۔

☆ ☆ ☆

اونچے اونچے درختوں کے پتے سرد ہوا کے جھونکوں سے سرسراتے تو رات کے سناٹے میں عجیب سا شور پیدا ہوتا۔ وہ اتنا مضطرب تھا کہ اس غضب کی سردی کا بھی گویا احساس باقی نہیں رہا تھا۔ دیا کے شدید ردعمل نے ایک دم اسے شکستہ کر ڈالا تھا۔ اسے لگا، یکایک ہی وہ جیتی ہوئی بازی ہار گیا ہے۔ شاید زبردستی کی جیت کبھی بھی راحت کا سامان میسر نہیں کر سکتی۔ وہ بھی بے حد مضمحل تھا۔ ہونٹوں میں دبا سگریٹ سلگ سلگ کر ختم ہو رہا تھا۔

ساری رات گزر گئی تھی۔ سورج اب دھیرے دھیرے افق سے نمودار ہو رہا تھا۔ یخ بستہ فضا میں کہر بھی تھی۔ وہ وہاں سے نکل کر جھیل کنارے آ گیا اور سطح پہ ہوا کی تندی سے پڑنے والے بھنور دیکھے گیا۔ تب ہی اپنے پیچھے آہٹ محسوس کی۔ مگر پلٹ کر نہیں دیکھا۔

"تم اتنی صبح یہاں کیا کر رہے ہو مستقیم؟" امانت کی آواز میں تحیر تھا۔ مستقیم نے جلتی آنکھیں میچ لیں۔ امانت نے بغور اسے دیکھا۔

"ڈسٹرب لگتے ہو' حالانکہ ہونا نہیں چاہیے۔ آف کورس! ایک خوب صورت اور پارسا بیوی ہے تمہاری۔" امانت نے دانستہ چھیڑا اور اس کے چہرے پہ موجود اذیت گہری ہو گئی۔

"ایسا بہت کچھ جو ہماری زندگی میں نہیں ہونا چاہیے امانت! لیکن وہ ہماری رضا کے بغیر بھی ہو جاتا ہے۔" اس نے جیب سے سگریٹ نکال کر سلگائی۔

"بھابھی کی بات کر رہے ہو؟" امانت نے مسکرا کر اس کی صورت دیکھی' لیکن پھر کسی قدر حیرت سے بولا۔

"مگر یار! اب وہ ایڈجسٹ کر رہی ہیں۔ ڈونٹ وری ٹھیک ہو جائے گا سب۔"

"کچھ ٹھیک نہیں ہو گا۔ میں بھی اس خوش فہمی میں مبتلا تھا' مگر رات..." اس نے بات ادھوری چھوڑ کر ایک دم ہونٹ بھینچ لیے۔

"رات کیا ہوا؟ جھگڑا ہوا ہے تمہارا ان سے؟"

"مجھے افسوس ہے۔ مجھے اپنی زیادتی کا احساس اس وقت ہوا' جب ازالے کا وقت گزر چکا۔"

"کیا مطلب؟" امانت کو تحیر نے آن لیا۔ وہ آنکھیں پھاڑ کر اسے تکنے لگا۔ یہ وہ مستقیم تو نہیں تھا' جس سے وہ واقف تھا۔ اکھڑ' ضدی' مغرور اور ہٹ دھرم' جو صرف اپنی منوانا جانتا تھا' مگر اس ایک لڑکی کی وجہ سے اس نے اب تک اسے کیسے کیسے نہ بدلتے دیکھا تھا۔

"کیا محبت اتنا ہی بااکمال جذبہ ہے؟" اس نے حیرت سے سوچا۔

"وہ پریگننٹ ہے۔ مگر وہ میرے جیسے عادی مجرم اور لٹیرے کے بچے کو جنم دینا نہیں چاہتی۔" مستقیم نے بھینچی ہوئی آواز میں کہا۔ امانت نے اس کی آنکھوں کو دیکھا۔ وہ اتنی سرخ تھیں' کہ لگتا تھا ابھی ان سے خون ٹپک جائے گا۔ وہ کچھ کہے بغیر چپ سا ہو گیا۔

"آؤ! اندر چلیں۔ پتا نہیں کب سے یہاں بیٹھے ہو۔ اپنی رنگت دیکھو' نیلی ہو رہی ہے سردی سے۔"

"تم چلو! میں آتا ہوں۔" مستقیم نے کہا تو امانت بے بس سا ہو کر اسے تکنے لگا۔ جانتا تھا' وہ اس کی بات نہیں مانے گا' چاہے وہ اپنا سر پیٹ لے۔

☆ ☆ ☆

وہ کروٹ کے بل لیٹی تھی۔ آنکھوں سے بہتے آنسو تکیہ بھگو رہے تھے۔ جب ہلکی سی آہٹ پہ اس نے بے ساختہ گردن موڑی اور حیرت و غیر یقینی سے ساکن ہو گئی۔ دادی مسکراتے ہوئے دونوں ہاتھ پھیلائے کھڑی تھیں۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور ایک ہی جست میں ان کے بازوؤں میں سما گئی۔ دل بھر آیا اور وہ بے ساختہ ہچکیوں سے رو پڑی۔ دادی اس کے سر کو سہلاتی رہیں' آنسو پونچھتی رہیں۔

"آپ کہاں چلی گئیں تھیں دادی؟" اس نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ مسکرا دیں۔

"میں کہاں گئی تھی... تو مجھے چھوڑ کر چلی گئی تھی... یاد نہیں؟"

"وہ مجھے لے گیا تھا زبردستی۔ میں کب جانا چاہتی تھی۔" اس کے آنسوؤں میں روانی آ گئی۔ دادی نے نرمی سے اس کی آنکھیں پونچھ دیں۔

"بس بس! اب رونا نہیں ہے۔"

"میرے آنسو کبھی نہیں خشک ہو سکتے دادی! قسمت نے مجھے ایک مجرم کی ذات کا حصہ بنا دیا ہے۔ مجھے بہت نفرت ہے اس سے۔"

"نہ بیٹا! نفرت مجرم سے نہیں' جرم سے ہونی چاہیے۔" دادی نے ٹوکا اور وہ اس انوکھی منطق پہ حیران ہو گئی۔

"میں تم سے بہت خفا ہوں دیا! تو تو دیا تھی' روشنی کا ذریعہ تو اندھیرے میں کیسے ڈھل گئی۔"

"جی..." اسے شاک لگا۔ ان کی گود سے اٹھ کر سیدھی بیٹھ گئی اور کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں انہیں دیکھا۔

"پتر! جب خدا کسی بندے کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہے یا اپنے قریب کرنا چاہتا ہے تو اس سے خاص اور بڑے کام لیا کرتا ہے۔ تم نے یہ کیوں نہ سوچا کہ تمہیں کسی کی ہدایت کے لیے چنا گیا ہے۔ وہ تمہاری محبت میں بے بس ہوا تھا۔ تم اس کی محبت کا فائدہ اٹھا کر کوئی بھی ایسا کام لے سکتی تھیں جو اسے ان اندھیرے اور پُرخار راستوں سے واپس لے آتا۔ الٹا تم نے خود بھی ہدایت کی روشنی سے منہ پھیر لیا۔ یہ تھی میری تربیت؟" دادی سوال پہ سوال کر رہی تھیں۔ وہ اس قابل بھی نہیں تھی کہ انہیں کوئی جواب ہی دے دیتی۔

"وقت گزر انہیں دیا! اپنے حصے کا کام انجام دو پتر اور رب کے حضور آزمائش میں سرخروئی حاصل کرو۔ خدا تمہارا حامی و ناصر ہو۔" دادی نے اس کا سر تھپکا' ماتھا چوما اور ایک دم جانے کہاں چلی گئیں۔ وہ تڑپ کر اٹھ بیٹھی۔

"دادی... دادی۔" وہ ہڑبڑا کر بستر سے نکلی اور بے قراری و بے تابی سے دروازے کی سمت بھاگی اور اندر داخل ہوتے مستقیم سے ٹکرا کر گرنے کو تھی' جب مستقیم نے بے اختیار اسے سہارا دیا تھا۔ رو رو کر سوجی آنکھیں' متورم چہرہ۔ وہ پسینے میں بھیگی ہوئی تھی اور بری طرح کانپ رہی تھی۔

"کیا ہوا؟ کہاں جا رہی ہو؟" اسے اپنا آپ چھڑا کر پھر سے دروازے کی جانب لپکتے دیکھ کر مستقیم نے ٹوکا۔

"دادی... ابھی دادی آئی تھیں میرے پاس' پھر پتا نہیں کہاں چلی گئیں۔" اس نے بھیگی ہوئی آواز میں کہا تو مستقیم نے ٹھٹک کر اسے دیکھا۔

"تم نے خواب دیکھا ہو گا۔ وہ یہاں کیسے آ سکتی ہیں۔" مستقیم نے نرمی سے سمجھایا' پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر بستر پر بٹھاتے ہوئے بولا۔

"تم آرام کرو' تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

اب کی مرتبہ دیا نے جواب نہیں دیا اور منہ پہ ہاتھ رکھ کر سسکیاں دبانے لگی۔ مستقیم ہونٹ بھینچے اسے دیکھتا رہا۔

"تم یوں خود کو ہلکان مت کرو۔ اگر تم خوش نہیں ہو تو میں اس مصیبت سے تمہاری جان چھڑا دوں گا' ڈونٹ وری۔" وہ تیز قدموں سے چلتا باہر نکل گیا۔

☆ ☆ ☆

بہت دنوں کے بعد اس نے غسل کیا اور نماز کے لیے کھڑی ہو گئی۔ دعا کو ہاتھ اٹھائے تو آنکھ کی پوریں ستارے لٹانے لگیں۔ وہ کتنی دیر آنسو بہاتی رہی۔

"دادی کہتی ہیں' میں دیا ہوں۔ روشنی دینا میرا کام ہے' بلکہ فرض ہے۔ مگر کیسے؟ میرے اللہ! مجھے راستہ سجھا۔ میں بس تیری مدد کی طلب گار ہوں۔ میری مدد فرما۔" اس نے منہ پہ ہاتھ پھیر کر نظر اٹھائی' تو مستقیم کو اپنی طرف کچھ حیرت سے تکتے پا کر پہلی مرتبہ اس کا دل دھڑکا اور پلکیں لرز کر حیا آمیز انداز میں عارضوں پر سایہ فگن ہو گئیں۔

"یہ لے لو پلیز۔" اس نے ایک چھوٹا لفافہ اس کی سمت بڑھایا۔ جسے تھامتے ہوئے اس کی آنکھوں میں الجھن تیرنے لگی۔

"کیا ہے یہ؟"

"اس کے استعمال سے اس ناسور سے چھٹکارا مل جائے گا۔ جو تمہارے وجود میں پل رہا۔" وہ سنجیدہ تھا۔ لفافہ دیا کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ رنگت ہلدی کی طرح سے پیلی پڑ گئی۔ مستقیم زہر خند سا بولا۔

"ڈونٹ وری! اس میں ایسی نقصان والی کوئی چیز نہیں۔ بہت مہنگی دوا ہے۔ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گی۔" دیا نے دھواں ہوتے چہرے کے ساتھ رخ موڑ لیا۔

"تمہیں میری بات کا یقین نہیں آ رہا تو کل خود ڈاکٹر

کے پاس پہنچ جانا اور.....“

”مستقیم پلیز! پلیز لیو می الون۔“ وہ بھینچی ہوئی آواز میں چیخی۔ مستقیم نے ہونٹ بھینچ لیے۔ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا‘ پھر ایک جھٹکے سے پلٹ کر چلا گیا جبکہ وہ کانپتے ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپے بے آواز رو رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ خاموش کھڑا برستی بارش کو دیکھ رہا تھا۔ بارش کے قطرے جو کتنے جوش اور جذبے سے زمین کی طرف لپکتے تھے‘ مگر دھرتی کے سینے پہ لگتے ہی اپنا وجود کھو بیٹھتے تھے‘ اس کی ذات اس کی محبت بھی ایسی ہی مایا بے وقعت تھی۔ اس پہ بارہا ثابت ہوا تھا مگر وہ کتنا احمق تھا کہ پھر بھی اسی جذب‘ اسی شوق سے اس کٹھن راہ پہ بھاگا جا رہا تھا۔

مگر اب وہ ایک دم سے ٹوٹ پھوٹ گیا تھا۔ ایک ایک کر کے اسے وہ ساری اذیتیں پھر سے محسوس ہونے لگیں جو اس نے سہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

اس نے سگریٹ لبوں سے نکال کر بارش کے پانی میں اچھال دیا۔ وہ گیلا ہوتے ہی بجھ گیا‘ مگر اس کی آنکھوں اور دل میں جلتے بھڑکتے شعلے بجھنے کی بجائے اپنی لو تیز کرنے لگے۔ وہ اسے لٹیرا کہتی تھی‘ غاصب سمجھتی تھی۔ کیا وہ ہمیشہ سے لٹیرا تھا۔ کیا وہ ہمیشہ سے غاصب تھا؟

نہیں‘ یقیناً ”نہیں۔ ہمیشہ حالات کی سنگینی واقعات کی سفاکی ہی انسان کو کچھ سے کچھ بنایا کرتی ہے وہ یعنی کچھ سے کچھ ہوتا چلا گیا تھا تو اس کی وجہ یہی واقعات و حالات تھے۔

☼ ☼ ☼

تپتے ہوئے جون کی ایک سخت ترین دوپہر تھی۔ سورج کا دہکتا گولہ عین سروں کے اوپر چمک رہا تھا۔ تیز دھوپ درختوں کی جڑوں تک کو گرمائے دے رہی تھی۔ اس پل گاؤں کی گلیاں اکثر سُونی ہوتی ہیں۔ کہیں اکا دکا کوئی بڈھا کسی پیڑ کی چھایا میں چارپائی بچھائے اونگھتا نظر آجائے تو آجائے‘ ورنہ مائیں اپنے بچوں کو گھروں میں گھسائے نہ صرف خود سوتیں بلکہ بچوں کو بھی زبردستی سلا لیتیں۔ مگر وہ تو موجود تھا نا جو بقول اپنی نانی کے بہت ہی بیبا بچہ تھا۔ اسے کھیلنے سے شغف تھا نہ لڑنے بھڑنے سے۔ وہ تو بس پڑھائی کا شوقین تھا۔ اس پل بھی وہ نیم کی گہری چھاؤں میں بیٹھا اسکول کا کام نبٹا رہا تھا چھٹیوں کے کام کا رجسٹر اس کی موتیوں جیسی لکھائی سے بھرتا جا رہا تھا‘ فضا میں اچانک ڈھول تاشوں کی بے ہنگم آواز نے جگہ بنائی اور پھر ہر آواز پہ غالب آتی چلی گئی۔ دو گلیاں پار کر موموچی کی بیٹی کی بارات آرہی تھی۔ ابھی صبح ہی تو ناصر نے اسے بتایا تھا‘ اس کے واحد دوست نے...

”اماں کی آنکھ بچا کر نکل لینا۔ پیسے لوٹیں گے۔“ موجو اور ناصر کو پیسے لوٹنے کا بہت شوق رہتا تھا۔ ان لوٹے ہوئے پیسوں سے وہ کینچے اور کھٹی گولیاں لے کر کھایا کرتا‘ ورنہ اماں تو چونی مانگنے پر بھی بے دریغ دھنک کے رکھ دیا کرتی تھیں۔ ناصر اس سے وعدہ لے کر ہی ٹلا تھا مگر پڑھائی لکھائی میں مگن ہو کر وہ یکسر بھول بیٹھا تھا۔ اب ڈھول کی آواز سن کر یاد آیا تو کنکھیوں سے نانی کو دیکھا۔ وہ نیند کے جھونکوں کی زد میں کبھی ادھر جھولتیں‘ کبھی ادھر... وہ قلم دوات رکھ کے ایک دم کھڑا ہو گیا۔ اس کے اٹھنے سے بان کی چارپائی چرچرائی تو اس نے سانس بھی روک لیا۔ اگر نانی کی آنکھ کھل گئی تو... وہ وہاں پہنچا تو بارات بھی قریب پہنچ چکی تھی۔ پیسے چھن چھن برسے۔ گندے مندے بچے چیل کووں کی طرح جھپٹے اور دھول مٹی میں اٹ گئے ان میں موجو اور ناصر بھی تھے۔

موجو کے اندر بڑی ترنگ تھی۔ زندگی میں پہلی بار آج وہ پیسے لوٹنے میں کامیاب ہو پایا تھا۔ کسی ہرن کی طرح قلانچیں بھرتا وہ آلو چھولوں کی ریڑھی کی طرف ابھی بڑھا ہی تھا جب اس کی تلاش میں اس سمت آتے ابو نے اسے دیکھا تھا۔ ننگے پاؤں‘ دھول اڑاتا‘ چیختا ہوا‘ بے حد گندے کپڑے‘ مٹی سے پاؤں‘ بدرنگ بال ان

کو یکبارہ ایک دم چڑھ گیا۔

”مستقیم! مستقیم!“ انہوں نے چیخ کر پکارا۔ وہ پہلے تو چونکا پھر ٹھٹک کر تھم گیا۔ اپنا ہی نام اسے اجنبی لگا تھا وہ تو نانی کی وجہ سے ”موجو“ ہی مشہور ہو گیا تھا۔ مستقیم تو بس اسکول میں حاضری کے وقت آواز پڑتی اور وہ ”حاضر جناب“ کہہ کر پھر سے یہ نام بھول جاتا۔ اس کے ہم جماعت بھی اسے ”موجو“ ہی کہتے تھے۔

”شرم نہیں آتی‘ یہاں یہ سب کرتے ہو تم؟“ ابو نے اس کی کلائی بہت سختی سے پکڑ کر زور کا جھٹکا دیا۔ وہ سہم گیا۔ یہ پینٹ کوٹ میں ملبوس بابو ٹائپ آدمی اس کا باپ تھا‘ اس نے ہمیشہ انہیں غصے میں ہی دیکھا تھا۔ وہ بہت کم گھر آتے جب بھی آتے‘ کسی نہ کسی بات پہ چنگھاڑنے لگتے۔ اس کی ماں بھی دہل جاتی! اس کی آنکھوں سے خوف چھلکتا اور موجو تو سانس لینا بھی بھول جاتا۔

”گھر چلو! پوچھتا ہوں میں تمہاری ماں اور اس کی ماں سے... یہ تربیت ہو رہی ہے میرے بیٹے کی؟“

اسے یونہی سختی سے دبوچے وہ گھر تک آئے۔ لکڑی کا سال خوردہ دروازہ ایک ٹھوکر سے کھولا۔ چولہے کے آگے پھونکنی سے آگ دہکاتی اس کی ماں دہل کر مڑی۔ پھر ابو بہت دیر تک چنگھاڑتے رہے چیختے رہے اور غصہ میں فی الفور انہیں ساتھ لے جانے کا فیصلہ سنایا۔ وہ جتنا ہراساں ہو رہا تھا‘ اس کی ماں اور نانی اتنی ہی خوشی سے پھولے نہ سمائیں۔ نانی نے لپک جھپک پکڑ کر اسے نہلایا اور اچھے کپڑے پہنانے سے پہلے بالوں کو خوشبودار تیل لگایا پھر پاؤڈر لگا کر اس کا سنگھار مکمل کیا‘ مگر اسے دیکھتے ہی ابو کا مزاج بگڑ گیا۔ کچھ باتیں سنانے کے بعد انہوں نے اسے پھر سے نہلانے کا آرڈر جاری کیا۔

”احمق جاہل عورتیں... پتا نہیں کہاں پھنس گیا ہوں۔ اتنا بھی نہیں پتا‘ تیل نہانے کے بعد نہیں‘ پہلے لگایا جاتا ہے۔“ وہ کتنی دیر تک کلستے رہے اور موجو کا خون خشک ہوتا رہا۔

☼ ☼ ☼

پھر سب کچھ بدل گیا۔ اس کا ماحول‘ اس کا گھر‘ اس کا اسکول بھی۔ پہلے وہ شلوار قمیص پہن کر‘ کپڑے کا تھیلا گلے میں لٹکا کر‘ ہاتھ میں تختی گھماتا اسکول جاتا تھا‘ پھر وہ نیکر‘ شرٹ میں رنگین بیگ لے کر ایک انگلش میڈیم اسکول میں جانے لگا۔ ہر طرح کے مزے تھے۔ بس ابو سے اس کی جان جاتی تھی۔ اس کی ماں اس کے جتنے لاڈ اٹھاتی‘ ابو اتنا ہی کھینچ کر رکھتے۔ سب کچھ بدل گیا تھا‘ مگر اس کا مزاج اب بھی سادہ ہی تھا۔ وہ اپنے کلاس فیلوز سے بہت آرام سے دھوکا کھا جاتا۔ شرارت کسی اور کی ہوتی‘ پکڑوا اسے دیا جاتا۔ اس کی سادگی اور بھولپن کی وجہ سے وہ بُدھو کے نام سے مشہور ہو گیا تھا۔ یہ دور بھی گزر گیا۔

☼ ☼ ☼

اسکول کے بعد کالج میں آیا تو اس کا قد چھ فٹ تک پہنچ گیا تھا۔ اس کی گندمی رنگت اور بڑی بڑی سحر انگیز آنکھوں میں کچھ تو ایسا تھا کہ لڑکیاں دیوانہ وار اس کی طرف لپکتی تھیں‘ مگر اس پہ ہر وقت ابو کا ہوا سوار رہتا۔ جب ہی کسی لڑکی کے نزدیک بھی نہ پھٹکتا۔ بلکہ اس نے تو دبے لفظوں میں امی سے کہا تھا۔

”مجھے کو ایجوکیشن میں نہیں پڑھنا آپ ابو سے کہیں‘ مجھے بوائز کالج میں بھیج دیں۔“ اس کی ماں نے سنا اور افسردگی سے مسکرا دی۔

”بیٹا! کیا حرج ہے؟ مقصد تو تعلیم حاصل کرنا ہے نا؟ تمہارا باپ میری کہاں سنے گا۔“

اور وہ خاموش ہو گیا تھا۔ وہ جان گیا تھا اس کی ماں سالہا سال گزر جانے کے باوجود اس کے باپ کے دل میں ذرا سی بھی جگہ حاصل کرنے میں ناکام رہی تھی۔ وہ اس کے باپ کی خالہ زاد کزن تھی اور اس کے باپ کی نہیں‘ دادی کی پسند تھی اس کا باپ عبدالماجد شاید کسی اپنے جیسی حسین‘ طرحدار عورت کو پسند کرتا تھا‘ جب ہی اس کی ماں کو اس نے نہ کبھی عزت دی نہ

محبت۔ جب مخاطب کیا طنز حقارت اور نخوت سے۔ ایک جھگڑا ہوتا اور اس کی ماں کئی کئی مہینوں تک نانی کے گھر بھیج دی جاتی۔

اس ادھرادھر کے چکر میں اس کی تعلیم کا اتنا حرج ہو رہا تھا، چنانچہ نانی نے اس کا مستقل داخلہ گاؤں ہی کے اسکول میں کرادیا تھا۔ ابو نے بھی اعتراض نہیں کیا تھا۔ شاید انہیں بیوی کے ساتھ بیٹے سے بھی کسی محبت کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ مگران کے طرز زندگی کو دیکھتے ہوئے ایک مرتبہ ان کی بہن نے ان کو سمجھایا۔ وہ نہ صرف پڑھی لکھی تھیں، بلکہ عمر میں بھائی سے بڑی بھی تھیں۔

"تم نے اپنی زندگی کا کیا فیصلہ کیا ہے عبدالماجد؟" ان کے سوال پہ وہ سخت مایوسی کے عالم میں بولے۔

"مجھے کیا فیصلہ کرنا ہے؟ فیصلہ تو اماں کرچکی ہیں برسوں قبل۔ وہ تو اب مرچکی ہیں۔"

"زبردستی سہی، تم نے ان کا فیصلہ مانا بھی۔ لیکن اس کی سزا بیوی بچے کو کیوں دے رہے ہو؟"

"سزا تو میں خود کاٹ رہا ہوں۔ ایسی جاہل عورت پلّے باندھی ہے میرے۔" وہ حسب عادت پھنکارنے لگے۔

"سعیدہ ان پڑھ ضرور ہے ماجد! مگر سمجھ دار عورت ہے، پھر سب سے بڑھ کر تمہارے بیٹے کی ماں ہے۔ کس ماحول میں لاوارثوں کی طرح چھوڑ ہوا ہے تم نے اپنے بیٹے کو؟ جانا ہوا تھا میرا۔ یقین کرو، مجھے بہت دکھ ہوا۔ وہ تمہارا بیٹا تو لگتا ہی نہیں ہے۔ پوری طرح اس ماحول میں رچ بس گیا ہے۔ وہ بہرحال تمہاری اولاد ہے ماجد! تمہیں اس کا خیال کرنا چاہیے۔ تمہیں پڑھے لکھے ہو کر بھی اس بات کی سمجھ نہیں کہ ماں باپ کی لڑائی سے بچوں پہ کتنا برا اثر پڑتا ہے۔ ان کی شخصیت ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوجاتی ہے۔ ایسے بچے جن کو والدین کی طرف سے سپورٹ حاصل نہیں ہوتی، وہ اپنی بقا کی جنگ کے لیے ہر صحیح اور غلط کو اپنی زندگی میں اپلائی کرتے ہیں۔ وہ دبو بھی ہوسکتے ہیں اور معاشرے کے کرپٹ انسان بھی۔ تمہارا بچہ ابھی چھوٹا ہے، مگر اتنا بھی چھوٹا نہیں کہ رویے اس پر اثر انداز نہ ہوتے ہوں۔ وہ پیار اور نفرت کو بہت جلدی مارک کرتا ہوگا۔ اگر ایسا ہی رہا تو وہ اپنی عمر سے پہلے کم سنی کو پھلانگ جائے گا۔ اور ایسے بچے جو کم سنی سے یکدم عمر رسیدگی میں چلے جائیں، ان کی زندگی میں اگر سب کچھ ہو، پھر بھی زندگی کی بے رنگی اور تلخی ختم نہیں ہوتی۔ اکیلاپن، غیر محفوظ ہونے کا احساس انہیں دل سے ہنسنے نہیں دیتا۔ اور آئی تھنک! تم اپنے بیٹے کے لیے ہرگز یہ نہیں چاہو گے؟" ان کی بہن ان کی سوچ کا در واکر گئی تھیں اور وہ واقعی لرز گئے۔ یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ وہ جاکر بیوی اور بچے کو گاؤں سے لے آئے۔ مگر ایسا کرتے ہوئے وہ یہ بھول گئے تھے کہ بیٹے کی شخصیت کو مضبوط بنانے کے لیے انہیں اپنی روش، اپنا انداز بھی بدلنا چاہیے۔ اور انہیں پتا بھی نہ چلا، ان کا بیٹا اگر کرپٹ انسان نہیں بھی بنا تھا تو دبو ضرور رہ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ تھرڈ ایئر میں تھا، جب اس کی ایک کلاس فیلو ثمرینہ ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑگئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ثمرینہ نے اس میں ایسا کیا دیکھا تھا۔ جو اس کی سمت لپکتی تھی۔ وہ جتنا بدکتا ثمرینہ اسی قدر اس میں کشش محسوس کرتی۔

"مجھ سے دوستی کرلو شائی بوائے!"

وہ کلاس لے کر نکلا تھا اور کینٹین میں آکر ابھی بیٹھا ہی تھا، جب اس کے راستے پہ آنکھیں بچھائے بیٹھی ثمرینہ اس کے پیچھے چلی آئی اور بنا اجازت اس کی ٹیبل پہ براجمان ہوگئی اور اس پہ جھک کر بے باکی سے آنکھ ماری۔ تنگ جینز پہ سفید چکن کی ڈھیلی ڈھالی شرٹ جس کے گریبان کے اتنے بٹن کھلے تھے کہ مستقیم کے اوسان خطا ہونے لگے۔ ثمرینہ کا باپ مل اونر تھا۔ وہ اکلوتی تھی۔ لاڈلی اور بگڑی ہوئی اولاد جو کپڑوں کی طرح

گاڑیاں بدلتی تھی۔ کالج کے سارے لڑکے اس کے دیوانے تھے اور وہ مستقیم پہ مرتی تھی۔

"کچھ بولو نا تمہاری آواز بھی تمہاری طرح کیوٹ ہے۔" وہ بے باکی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔ مستقیم کرسی پہ یوں اچھلا جیسے بچھو نے ڈنک مار رہا ہو۔

"پلیز! مجھے کسی بھی لڑکی سے دوستی نہیں کرنی۔ آپ سمجھتیں کیوں نہیں؟" وہ کسی قدر زچ ہوا، مگر ثمرینہ کے بلند قہقہے نے اسے نروس بھی کرڈالا۔

"کم آن یار! کیسی دقیانوسی باتیں کرتے ہو... کوایجوکیشن میں پڑھ رہے ہو تم۔"

"میری کلاس کا ٹائم ہوگیا ہے۔ چلتا ہوں۔" وہ جان چھڑا کر بھاگا، مگر کب تک۔ ثمرینہ جان چھوڑنے والی کہاں تھی۔

ابو نے ایگزام پاس کرنے پہ اسے بائیک لے کردی تھی۔ جو آج کل پتا نہیں کیوں مسئلہ کرنے لگی تھی۔ چھٹی کے بعد وہ اپنی بائیک اسٹارٹ کرنے کی کوشش میں ہلکان ہو رہا تھا، جب اس کی ہنسی کی جھنکار پہ پہلے چونکا، پھر خفیف ہوگیا۔

"یہ اسٹارٹ نہیں ہوگی۔ آجاؤ میرے ساتھ۔ ڈراپ کردوں گی۔" پیش کش بہت پرکشش تھی، مگر وہ اسے نظر انداز کرکے بائیک اسٹارٹ کرنے میں لگا رہا۔ وہ منتظر نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ اس سے پہلے کہ وہ اسے دوبارہ پیش کش کرتی، اسی وقت وہ بائیک اسٹارٹ کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ وہ زن سے اس کے قریب سے بائیک لے اڑا۔ وہ کینہ توز نظروں سے اڑتی دھول کو تکتی رہ گئی۔

"کب تک بچو گے آخر؟" اپنی توہین نے اسے تلملا کر رکھ دیا تھا۔

اور یہ اس سے ٹھیک ایک ہفتے بعد کی بات تھی جب عین رم جھم برستے موسم میں ثمرینہ کی گاڑی کا ٹائر پنکچر ہوا تھا اور وہ کافی پریشان تھی۔ اس کی گاڑی وہیں خراب ہوئی تھی، جہاں مستقیم کی بائیک کھڑی تھی۔ وہ کالج کی لائبریری میں ایک گھنٹہ بیٹھا رہا تھا۔ لائبریرین کے ٹوکنے پہ وہ اپنا جرنل اور کتابیں اٹھاتا جب عجلت میں اپنی بائیک تک پہنچا تو ثمرینہ اسی کی منتظر تھی۔

"مستقیم! میری گاڑی خراب ہوگئی ہے پلیز ہیلپ می۔"

"سوری! میں آل ریڈی لیٹ ہوچکا ہوں۔" اس نے رکھائی سے کہا۔ اور بائیک اسٹارٹ کردی۔

"تم صرف مجھے مال تک چھوڑ دینا میں وہاں سے رکشہ یا ٹیکسی کرلوں گی پلیز مستقیم!" اس کے کچھ بولنے سے پہلے ہی ثمرینہ نے اچک کر اس کے ساتھ بائیک پر بیٹھنا چاہا، مگر مستقیم نے فوراً" بائیک بھگادی۔ ثمرینہ گرتے گرتے بچی۔ وہ پیچ و تاب کھاتے ہوئے وہیں کھڑی اس کی پشت کو گھورتی رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

یہ اس سے محض چند دن بعد کی بات تھی۔ اسے اس روز لائبریری سے کچھ کتابیں ایشو کروانا تھیں۔ اس سلسلے میں کچھ لیٹ ہوگیا، جبکہ امی کو کسی شادی میں شریک ہونا تھا۔ اسے خصوصی تاکید کی تھی جلدی آنے کی، مگر وہ بھول بیٹھا تھا۔ وقت مقررہ سے جب دو گھنٹہ لیٹ وہ گھر پہنچا تو امی بے تابی سے اسی کی منتظر تھیں۔

"تم فریش ہو کر کھانا کھالو بیٹا! پھر جیولر سے میری چوڑیاں لادینا۔ اسی انتظار میں بیٹھی ہوں۔ صبح سے آپا کے دو فون آچکے ہیں ابھی تک پہنچے کیوں نہیں۔"

"آپ رسید لائیں! میں پہلے ادھر جاتا ہوں۔ کھانا آکر کھالوں گا۔"

اور جب وہ رسید ہاتھ میں لیے شہر کے مشہور جیولر کی روشنیوں سے جگمگاتی دکان میں داخل ہو رہا تھا اس کے بالکل سامنے موجود ڈپارٹمنٹل اسٹور سے نکلتی ثمرینہ کی نظر اس پہ پڑی تھی اور محض ایک لمحہ لگا تھا اس کے شیطانی دماغ کو منصوبہ گھڑنے میں۔ اگلے ہی

لمحے وہ اس پہ عمل پیرا ہو گئی تھی۔ مستقیم نے دکان دار کو رسید دکھا کر چوڑیوں کا تقاضا کیا تو دکان دار نے اسے نشست پہ بیٹھ کر انتظار کرنے کا کہا۔ مستقیم بیٹھنے کی بجائے گھوم پھر کے شوکیس میں لگے خوب صورت اور چمکتے دمکتے زیورات کو سرسری نظر سے دیکھنے لگا۔ ثمرینہ وہیں کھڑی بریسلٹ نکال نکال کر دیکھ رہی تھی مستقیم بے دھیانی میں چلتا ہوا جیسے ہی اس کے قریب پہنچا اس نے ایک بریسلٹ اتنی صفائی سے سب کی نگاہ بچا کر سرعت سے مستقیم کی جیکٹ کی جیب میں ڈال دیا۔ وہ صورت حال کی سنگینی سے بے خبر اپنے آپ میں مگن اب جھک کر سرخ یاقوت سے مزین جڑاؤ کنگن مبہوت ہو کر دیکھ رہا تھا۔

"سوری! مجھے کوئی ڈیزائن پسند نہیں آسکا۔ اوکے فائن، پھر کبھی سہی۔" وہ کاندھے جھٹک کر سیلز مین سے مخاطب ہوئی۔ اس نے کاندھے اچکائے تھے اور کیس بند کرنے لگا، مگر اگلے لمحے وہ ایک دم چوکنا ہوا تھا۔

"ون اے منٹ میم! اف یو ڈونٹ مائنڈ پلیز! یہاں آئیں۔"

"جی!" ثمرینہ جو اسی صورت حال کی منتظر تھی، کسی قدر تحیر سے پلٹی۔

"اس کیس میں ایک بریسلٹ کم ہے۔ حالانکہ ابھی جب میں نے آپ کو دکھائے تھے تو......"

"کیا مطلب؟ کہنا کیا چاہتے ہیں آپ کہ...... میں چور ہوں؟" وہ ایک دم بھڑک اٹھی۔ مستقیم بھی متوجہ ہو چکا تھا، مگر ثمرینہ کے لیے اس کے تاثرات سرد ہی تھے۔

"سوری! میں آپ کو بلیم نہیں کر رہا، مگر ہمیں آپ کی تلاشی تو لینا ہو گی۔" سیلز مین بے حد بچاؤ سے اور محتاط ہو کر بات کر رہا تھا۔ نقصان اس کی موجودگی میں ہوا تھا۔ بریسلٹ لڑکی سے نہ ملنے کی صورت میں خمیازہ اسے بھگتنا پڑتا۔

"دیکھیے آپ میری توہین کر رہے ہیں مسٹر! میں ایک مہذب اور شریف شہری ہوں...... ایک مل اونر کی بیٹی۔ مجھے کیا ضرورت ہے ایسی گھٹیا حرکت کرنے کی؟ اور ویسے بھی آپ شک صرف مجھ پہ کیوں کر رہے ہیں جبکہ آپ جانتے ہیں، جب میں بریسلٹ دیکھ رہی تھی تو یہ لڑکا بھی بالکل میرے برابر کھڑا تھا۔ چور یہ بھی تو ہو سکتا ہے، آپ اس کی تلاشی بھی لیں۔"

اس نے اتنی خوب صورتی اور چالاکی سے صورت حال پلٹی تھی کہ مینجر اور سیلز مین تذبذب کا شکار ہو گئے۔ مستقیم تو ایک دم چکرا گیا تھا۔ اسے اپنے پیروں تلے سے زمین نکلتی محسوس ہوئی۔ مینجر کے اشارے پہ سیلز مین نے تلاشی کے پہلے مرحلے پہ بریسلٹ اس کی جیکٹ کی جیب سے برآمد کر لیا۔ وہ اس حد تک سراسیمہ ہوا کہ اپنی صفائی میں ایک لفظ بھی نہیں کہہ سکا۔ اس کی پھٹی پھٹی نگاہ ثمرینہ کی طرف اٹھی۔ وہ مسکراتی اٹھلاتی اِتراتی دکان سے باہر نکل گئی۔ مینجر نے فون کیا اور اگلے چند لمحوں میں پولیس پہنچ گئی۔

"دیکھیے سر! پلیز یہ جھوٹ ہے۔ میرے خلاف سازش۔ مم...... میں"۔

"اوئے چپ کر! ثبوت جیب سے برآمد ہوا اور تو اسے سازش قرار دیتا ہے؟" حوالدار کے ہاتھ کا زناٹے دار تھپڑ اس کا گال سرخ کر گیا۔ اس کی ایک نہیں سنی گئی اور بھرے بازار میں پولیس والے جب اسے ڈنڈے مارتے ہوئے لے جا کر گاڑی میں بیٹھے اس روز احساس ذلت کے سبب وہ خود سے بھی نظریں نہیں ملا سکا تھا۔

وہیں جیل میں پہلی بار اس کی ملاقات ماکھے سے ہوئی تھی۔ ماکھے نے اس کی چپ کو توڑنے کی بہتیری کوشش کی۔ یہاں تک کہ اس کی ہمدردی میں پولیس والوں کو گالیاں بھی دیں اور اپنے لیے آئے کھانے، چائے وغیرہ کی بھی پیش کش کی، مگر وہ تو کسی اور ہی دنیا میں پہنچا ہوا تھا۔ زندگی میں پہلی بار اس کا خودکشی کرنے کا جی چاہا، مگر وہ خود پہ جبر کرتا رہا۔ ابو کو یقیناً اس کی گرفتاری کا علم ہو چکا تھا۔ مگر ابو اس کی ضمانت کو

نہیں آئے۔

وہ جانتا تھا ابو کا پارہ آسمان کو چھو رہا ہو گا۔ مگر غصہ الگ بات تھی، انہیں اس کی ضمانت تو کرانا چاہیے تھی۔ اس نے ماکھے سے موبائل لے کر اسی کے مشورے پہ گھر فون کیا تھا۔ اس کی بات امی سے ہو گئی تھی جو اس کی آواز سنتے ہی رونا شروع ہو گئیں۔

"آپ ابو سے کہیں نا! وہ میری ضمانت تو کرائیں۔ یہ قید بہت جان لیوا ہے میرے لیے۔" وہ اتنا بڑا ہو کر خود ضبط کھو کر بچوں کی طرح رو پڑا تھا۔

"منتیں کرتی ہوں دن رات...... میرے لال! تمہارا کیا خیال ہے میں سکون سے بیٹھی ہوں، مگر نہیں مانتے۔ وہ تو تمہاری شکل بھی دیکھنے کے روادار نہیں ہیں۔ خاندان میں، محلے میں ہر جگہ تمہاری گرفتاری کی خبر پھیل گئی ہے۔ لوگ افسوس کے بہانے آکر ان کو اور بھی اشتعال دلا جاتے ہیں، تمہارے خلاف باتیں کر کے۔"

وہ اتنا دل برداشتہ ہوا تھا کہ مزید کچھ بھی نہیں کہہ سکا اور فون بند کر دیا۔ صورت حال اس کی توقع سے کہیں بڑھ کر سنگین ہو چکی تھی۔ ابو اس سے نالاں تھے۔ انہوں نے کبھی اسے سمجھا نہیں تھا، مگر اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ یوں قطع تعلق ہو جاتے۔ ماکھا اس سے پوچھتا رہا کہ کیا کہا گھر والوں نے، مگر اسے تو ایسی چپ لگی تھی جو ٹوٹتی نہ تھی۔ وہ مزید ایک ہفتہ حوالات میں بند رہا۔

ماکھے کی ضمانت ہوئی تو اس نے اپنی وفاداری اور دوستی کا ثبوت فراہم کرتے ہوئے اپنا اثر و رسوخ استعمال کیا اور اس کو بھی رہا کرا لیا۔ وہ اس کا ممنون ہوا تو تھا مگر شکریہ ادا نہیں کیا کہ ایسی صورت میں ماکھا پھر اس سے راہ و رسم بڑھائے گا، جو وہ نہیں چاہتا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ اپنے محلّے میں داخل ہوا تو محلّے کے کئی لوگوں سے اس کا سامنا ہوا۔ وہ اسے دیکھ کر پہلے، چونکتے پھر کترا کے گزر جاتے یا پھر اس سے ان قصوں کی تفصیل جاننے کی کوشش کرتے جو قصے اس کی غیر موجودگی میں اس کے حوالے سے مشہور ہو چکے تھے۔ اس کا جی چاہا، ایسے سوالات کرنے والوں کا منہ نوچ لے، مگر خود پہ ضبط کرتا ہوا اپنے گھر کی جانب بڑھتا رہا۔ بند دروازے پہ دستک کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی کہ دروازہ یوں ہی بھڑا ہوا تھا۔ وہ اندر داخل ہو گیا۔

اتنے بڑے گھر پہ ایک عجیب سی ویرانی کا پہرا تھا۔ یوں جیسے کوئی صدیوں سے یہاں بستا ہی نہ ہو۔ اس نے اپنے ہی گھر میں خود کو اجنبی محسوس کیا تھا قدرے جھجکتے ہوئے انداز میں وہ امی کے کمرے کی طرف بڑھا۔

"امی...... امی!" اس نے آہستہ سے پکارا۔

جائے نماز پہ بیٹھی امی اس کی آواز پہ چونکیں اور اگلے ہی لمحے وہ جھٹکے سے مڑی تھیں۔ اسے روبرو پا کے ان کی آنکھیں حیرت، خوشی اور غیر یقینی سے ساکن رہ گئیں۔ وہ آہستگی سے مسکرا دیا اور بڑھ کر خود ان سے کسی ننھے بچے کی طرح لپٹ گیا۔

یااللہ! تیرا شکر۔ اب تو مجھے لگنے لگا تھا تیری راہ تکتے میری آنکھیں پتھر ہو جائیں گی۔" امی زار و قطار آنسو بہاتے ہوئے اس کے چہرے کے نقوش والہانہ انداز میں چوم رہی تھیں۔ مستقیم کو لگا جیسے اس کے اندر جنموں کی پیاس بجھنے لگی ہو۔ وہ ایک دم آسودہ ہونے لگا۔

"کیا حشر کر دیا ظالموں نے میرے چاند کا۔ چل اٹھ! نہا دھو لے۔ میں تازہ کھانا بناتی ہوں، پھر آرام کر لینا۔" امی نے نرمی سے سر تھپک کر اسے اٹھایا تو وہ مسکراتے ہوئے اٹھا تھا۔ پھر انہیں دیکھ کر شوخی سے بولا۔

"مٹر پلاؤ بنائیے گا امی! وہاں آپ کے ہاتھ کے ذائقے کو بہت مس کیا ہے۔ پھر میں آپ کو بتاؤں گا، یہ سب میرے ساتھ کس نے کروایا۔ آپ کو یقین ہے نا امی! کہ آپ کا بیٹا مجرم نہیں ہے؟" اس کی آنکھیں

اپنی صفائی دیتے ایک دم پانیوں سے بھر گئیں۔

"ارے! چور کو تو گرم توے پہ بھی بٹھا کر پوچھا جائے کہ وہ چور ہے تو وہ تب بھی نہ مانے۔ ساری دنیا میں بدنامی کے اشتہار لگا کر یہاں آنے کی تمہیں جرأت کیسے ہوئی؟ میرے گھر میں کسی مجرم کی کوئی جگہ نہیں۔ دفع ہو جاؤ یہاں سے۔" ابو جانے کب وہاں آگئے تھے۔ وہ ایک دم دھاڑے۔ امی خائف ہو کر تھر تھر کانپنے لگیں جبکہ مستقیم نے ہونٹ بھینچ لیے' وہ ان کے غصے کو بجا سمجھتا تھا' مگر یہ محض الزامات تھے۔ وہ انہیں حقیقت سے آگاہ کرنا چاہتا تھا۔

"ابو! آپ تک جو اطلاعات پہنچی ہیں' وہ غلط ہیں میں..." اس کی بات ابو کا تھپڑ پڑنے کی وجہ سے ادھوری رہ گئی۔ انہوں نے ایک تھپڑ پہ اکتفا نہیں کیا۔ یکے بعد دیگرے اس کے چہرے پہ طمانچے برساتے چلے گئے۔ وہ چکرا گیا جبکہ امی کو سکتہ سا ہو گیا تھا۔

"اتنے فالتو ہیں لوگ جو بیٹھے تمہارے خلاف سازشیں کرتے ہیں؟ ہاں! احمق سمجھ رکھا ہے ہمیں؟ میں تمہیں شوٹ کرنے سے بھی گریز نہیں کروں گا۔ دفع ہو جاؤ یہاں سے۔"

ابو اسے باہر کی طرف دھکا دینے لگے تو امی اس کے اور ابو کے بیچ میں آگئیں۔

"نہیں' نہیں... خدا کا واسطہ ہے آپ کو... اسے یوں گھر سے مت نکالیں۔ کہاں جائے گا۔ اسے معاف کر دیں۔ سن تو لیں' کیا کہنا چاہتا ہے۔" وہ دھاڑیں مار' مار کر روتے ہوئے ابو کے سامنے ہاتھ جوڑ کر التجائیں کرنے لگیں' مگر وہ تو اس پل غیظ و غضب کی انتہاؤں پہ پہنچے ہوئے تھے۔ انہوں نے ایک الٹے ہاتھ کا تھپڑ امی کو بھی دے مارا۔ ان کی ناک سے خون بہنے لگا۔

"خبردار! جو تم نے کوئی مداخلت کی۔ اس بڑھاپے میں چوٹی سے پکڑ کر گھر سے نکال دوں گا اس کے ساتھ ہی..."

ان کی دھمکی نے امی کو ساکن کر دیا' جبکہ مستقیم ترپ اٹھا تھا۔ ابو سے اتنے شدید ردعمل کی اسے توقع نہیں تھی۔ امی تو اس قدر سہمی ہوئی تھیں گویا سانس لینا بھول گئی ہوں۔

"امی! آپ چلیں میرے ساتھ۔ میں ہرگز آپ کو یہاں نہیں رہنے دوں گا۔" وہ غم و غصے کی شدتوں سے کانپتا ہوا بولا۔ کچھ فیصلے ایکا ایکی ہوتے ہیں۔ یہ بھی ایسا ہی فیصلہ تھا۔ ابو نے خاصی تمسخر اڑاتی نظروں سے اسے دیکھا اور امی کو دیکھ کر پھنکار کر بولے۔

"ہاں' ہاں! لے جاؤ اپنی ماں کو بھی ساتھ۔ میں اپنے نام کی بیڑی سے اسے آزاد کرتا ہوں' پھر لے جانا۔ چور اچکوں کے رشتہ داروں سے میں خود بھی کوئی واسطہ نہیں رکھنا چاہتا۔" وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ابو کو تکتی امی کے پاس آکر انہیں اپنے بازو کے حلقے میں لیتے ہوئے ابو کے سامنے تن کر کھڑا ہو گیا۔

"ٹھیک ہے! دیں میری ماں کو طلاق۔ ہم خود بھی اب آپ سے کوئی رشتہ' کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتے۔ آپ جیسے خود پسند لوگ ساری زندگی اپنی ذات میں تنہا ہی گزارتے ہیں۔" وہ ایک بدلے ہوئے مستقیم کی شکل میں سامنے تھا۔ ابو کو اس کی ڈھٹائی اور بے غیرتی پہ عش آنے لگے' جبکہ اس کے الفاظ پہ امی جیسے ہڑبڑا کر حواسوں میں لوٹ آئیں۔

"مستقیم!" وہ چیخیں۔ "شرم سے ڈوب مریں ماں کو اس بڑھاپے میں طلاق دلوا رہے ہو۔" وہ پھپھک کے رو پڑیں۔ بے بسی' بے کسی' ذلت اور شرم کی انتہاؤں کو چھوتے ہوئے وہ سخت مضطرب ہو گیا۔ انہوں نے اس کے ہاتھ جھٹک دیے۔

"جاؤ! چلے جاؤ یہاں سے... مستقیم! چلے جاؤ۔ میں سمجھ لوں گی تم پیدا ہوتے ہی مر گئے تھے۔"

مستقیم صدمے اور غیر یقینی سے گنگ ہو گیا۔ جبکہ ابو کے چہرے پہ طنز اور تمسخر کے ساتھ اس مقام پہ ملنے والی فتح کا احساس بھی اترا تھا۔

"بس! سن لیا... ہو گئی تسلی؟ اب اپنے کالے کرتوتوں کے ساتھ شکل گم کرو۔" انہوں نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر حقارت سے کہا۔

اس نے دھندلائی ہوئی نظروں سے پہلے ابو کو دیکھا۔ ان کے چہرے پہ سختی و درشتی تھی۔ پھر اس کی نظریں امی پہ جا ٹھہریں۔ وہ ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپے رو رہی تھیں۔ شاید اس نے انہیں دکھ دیا تھا اور اب وہ اسے معاف کرنے کو تیار نہیں تھیں۔ انہوں نے بھی اسے جانے کا کہہ دیا تھا۔ یعنی اب اس گھر میں کہیں بھی اس کے لیے جگہ نہیں تھی اور یہ احساس بہت جان لیوا تھا۔ وہ واپسی کو مڑا۔ اس کے قدموں میں لڑکھڑاہٹ تھی۔

☆ ☆ ☆

دکھ کی شدید لہر اس کے اندر اتر آئی تھی۔ ابو کے ساتھ جب امی نے بھی ٹھکرایا تو وہ جیسے خود سے بچھڑ گیا۔ وہ گھر سے نکلا تو شام رات میں ڈھل رہی تھی۔ وہ محلے کے جانے پہچانے منظر کسی اجنبی کی نظر سے دیکھتا آگے بڑھتا رہا۔

وہ ساری رات چلتا رہا اور تھکا نہیں کہ روح کی تھکن وجود کی تھکن پہ غالب تھی۔

صبح ہوئی تو وہ ایک پارک کی بینچ پر گر کر بے سُدھ ہو گیا۔

آنکھ اس وقت کھلی جب سورج کی تیز شعاعوں نے اس کے چہرے کو جھلسایا' ایک ہی زاویے پہ پڑے رہنے سے اس کے اعصاب مفلوج ہو رہے تھے۔ مگر اس سے بھی شدید احساس پیٹ میں دہکتے الاؤ کا تھا۔ اس نے جانے کتنے دنوں سے ڈھنگ سے کھانا نہیں کھایا تھا۔

پارک سے نکل کر وہ ایک چھپر ہوٹل تک آگیا۔ اس کی جیب میں بیس روپے تھے' یہ پیسے ماں کے نے زبردستی اس کی جیب میں ٹھونس دیے تھے کہ گھر جانے کا کرایہ رکھ لو۔ وہ دال روٹی کا آرڈر کر کے بان کی چارپائی پہ بیٹھ گیا۔ تب ہی جانے کس طرف سے نکل کر ماکھا بہت ہی پُرجوش انداز میں آکر اس سے بغلگیر ہو گیا۔

"اوئے شہزادے! تُو کدھر شیر جوانا؟

"یہاں لوگ غالباً" کھانا کھانے آتے ہیں۔" ماکھے کے برعکس اس کا انداز سرد مہر تھا' مگر ماکھا پھر بھی خفت کا شکار نہیں ہوا۔ ڈھٹائی سے ہنسنے لگا۔

"تجھے پتا ہے شہزادے! نخرہ بھی جچتا ہے تجھ پہ۔" وہ منہ میں موجود پان چباتے ہوئے بولا۔

اس وقت ہوٹل کے ملازم نے اس کے آگے کھانا لا کر رکھا۔ پلاسٹک کی چنگیر میں دو تندوری روٹیاں' تام چینی کی پلیٹ میں ماش کی بھنی ہوئی دال' جس پہ باریک کٹی پیاز ڈالی گئی تھی' ساتھ دہی کی چٹنی۔

"اوئے کڑکی ٹانگیں لا' ہمارے ببر شیر کے لیے۔ تجھے نہیں پتا یہ ہمارا مہمان ہے؟" ماکھے نے ملازم کو جھاڑ ڈالا۔

ملازم نے سہم کر "جی اچھا جناب!" کہا اور سرعت سے پلٹ گیا۔ اس سے مستقیم نے اندازہ لگایا' اس علاقے میں ماکھے کی دھاک بیٹھی ہوئی ہے۔ مگر اسے کیا' وہ تو ماکھے سے نہیں دبتا تھا۔ اس نے ٹرے اپنی جانب گھسیٹی اور کھانے لگا۔ ماکھا گہری نظروں سے اسے کھاتے دیکھنے لگا۔

"گھر والوں نے نکال دیا تجھے؟" نسوار کی پڑیا نکال کر چٹکی منہ میں رکھتے ہوئے اس کا سوال اتنا غیر متوقع تھا کہ مستقیم کا نوالہ منہ کی طرف لے جاتا ہاتھ اسی زاویے پہ ساکن ہو گیا۔ ماکھے کی زیرک نگاہ نے اس کے چہرے پہ اترتے اذیت کے رنگوں کو دیکھا اور گہرا سانس بھر کے بولا۔

"میں نے کہا تھا نا! یہ دنیا بہت ظالم ہے۔"

مستقیم سے اس کی طرف نگاہ بھر کے دیکھا نہیں گیا۔ اسے لگا تھا اسے ایک بار پھر کسی نے سربازار عریاں کر دیا ہو۔ وہ ایک دم اٹھا اور ماکھے کو نظر انداز کرتا آگے بڑھتا چلا گیا۔

☆ ☆ ☆

سارا دن کہر چھائی رہی۔ آسمان پہ گہرے بادل ہونے کی وجہ سے زمین کے مکین سورج کی ایک جھلک بھی نہ دیکھ سکے۔ تیز برفیلی ہوائیں نیزوں کی مانند جسم

میں پیوست ہوئی تھیں۔ اس کا وجود تھکن اور بخار سے جلتا تھا۔ پچھلے چھ گھنٹے اس نے لگاتار کام کیا تھا۔ اس کے سامنے پھیلا تین کینال کے گھر کی دوسری منزل ابھی زیر تعمیر تھی اور اسی میں اس نے آج مزدوری کی تھی۔ پیٹ کا دوزخ ایندھن مانگتا تھا اور اس کی جیب میں پھوٹی کوڑی بھی نہیں تھی۔ ہاتھ پھیلانا اور چھیننا اس کی سرشت میں نہیں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ یہ دونوں کام نہیں کرسکا۔ حالانکہ ماکھے نے سمجھانے کے ساتھ ساتھ اپنے ساتھ شامل ہونے کا مشورہ بھی دیا تھا، مگر وہ اس راہ کا مسافر نہیں تھا۔ ابھی اس نے اپنے مستقبل کے حوالے سے کچھ نہیں سوچا تھا۔ فی الحال وہ تین وقت کی روٹی کی فکر میں تھا اور اس سلسلے میں آج ایک مزدور کی حیثیت سے جان توڑ رہا تھا۔

اس چند گھنٹے کی مزدوری میں اس نے واضح طور پر یہ محسوس کیا تھا کہ اس کے ساتھی مزدور اس سے اضافی مشقت لے رہے ہیں۔ اینٹوں سے بھری ریڑھی وہ اوپر لے کر جاتا تو واپسی پہ اس کی ریڑھی میں ماربل بھر دیا جاتا۔ اسے غصہ تو آیا، مگر وہ ضبط کھونا نہیں چاہتا تھا۔ جب ہی حوصلے اور برداشت کو آزماتا رہا۔

مگر یہ برداشت، یہ حوصلہ اس وقت اس کا ساتھ چھوڑ گیا تھا، جب دن بھر کی جان کنی کے بعد اُجرت ملنے کا وقت آیا۔ ہتھیلی پہ رکھے جانے والے دس، دس کے دس نوٹوں کو اس نے تحیر سے دیکھا۔ وہ اس بات سے اچھی طرح آگاہ تھا، مزدور کی ایک دن کی دیہاڑی ڈیڑھ سو روپے تھی۔

"یہ کم ہیں۔ مجھے میری پوری اُجرت چاہیے۔" نوٹ واپس کرتے ہوئے اس نے تحمل سے ٹھیکیدار کو مخاطب کیا۔ اس کے چہرے کے زاویے اس فرمائش کو سُن کر بگڑ گئے۔

"اتنے مل گئے ہیں نا! غنیمت سمجھو۔ کیا میں نے تمہیں نہیں بتایا تھا کہ ہمارے مخصوص مزدور ہیں اور ہم کمیشن۔۔۔"

"مگر میں اس کھیپ میں شامل نہیں ہوں تو میں کمیشن بھی نہیں دوں گا۔ جب کام میں کمی نہیں تو مجھے اجرت بھی پوری چاہیے۔" اس کا مطالبہ ناجائز نہیں تھا۔ مگر ٹھیکیدار کو جانے کیوں اس کی اپنے حق میں اٹھاتی آواز مشتعل کر گئی۔

"اوئے تمیز سے بات کر لونڈے! ورنہ زبان گدی سے کھینچ لوں گا۔"

"کیوں کھینچ لوگے زبان تم؟ زرخرید غلام ہوں تمہارا؟ سمجھتے کیا ہو اپنے آپ کو۔" اسے بھی غصہ آگیا۔ کھری کھری سنائیں۔ ٹھیکیدار نے تلملا کر اس کا گریبان پکڑ لیا اور آس پاس کھڑے مزدور اس کے ایک اشارے پہ حرکت میں آئے تھے۔ پھر ہر طرف سے اس پہ لاتوں کی گھونسوں اور تھپڑوں کی گویا بارش برسا دی گئی۔ اس طرح شاید وہ ٹھیکیدار کو اپنی وفاداری کا ثبوت پیش کر رہے تھے۔

"اوئے! تجھے جرأت کیسے ہوئی۔ ٹھیکیدار صاحب سے بدکلامی کرنے کی۔" مستقیم جتنا بھی شہزور اور بہادر ہوتا، اتنے آدمیوں کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا۔ اگلے چند لمحوں میں اس کا حلیہ بگڑ چکا تھا۔

اس واقعے کے بعد وہ ایک بار پھر بہت بددل ہوگیا اور یہ اس کی ذہنی ابتری ہی تھی کہ ایسے لمحوں میں جب ایک بار پھر ماکھے نے اسے اپنے ساتھ شامل ہونے کی دعوت دی تو وہ ہمیشہ کی طرح انکار نہیں کرسکا۔ یہ نہیں تھا کہ دنیا سے اچھے لوگوں کا خاتمہ ہوگیا تھا یا اچھائی رخصت ہوگئی تھی۔ مگر شاید قسمت اس کے ساتھ کوئی کھیل کھیل رہی تھی۔ ماکھے نے اسے سمجھایا تھا۔

"دیکھ! دنیا بہت خراب ہے۔ بنا جرم کے تجھے مجرم بنا دیا۔ تجھے لوٹا۔۔۔ اب تو وہی انداز اپنا لے۔ اگر جینا چاہتا ہے تو۔۔۔"

اور اس نے مایوسی کی انتہائی کیفیت میں اس راستے کو اپنا لیا، جس پہ نہ چلنے کے اس نے خود سے عہد باندھے تھے۔ اب اگر اسے اپنایا تھا تو اسے لمحہ بھر کا بھی ملال نہیں تھا۔ وہ دنیا کو وہی لوٹانے جا رہا تھا جو اسے نہ چاہتے ہوئے بھی دیا گیا تھا۔ اسے اب اس بات پہ دکھ اور افسوس بھی نہیں تھا کہ معاشرے کی ناانصافیوں اور

انسانی رویے کی بدصورتی نے اس سے اس کی سادگی اور معصومیت چھین لی تھی۔ اس کی شرافت کو اس کی کمزوری اور بزدلی سے تعبیر کیا گیا تو اسے شرافت اور نرمی سے نفرت ہوگئی۔ اس معاشرے کو شرافت کی زبان سمجھ میں نہیں آتی تو اس نے ہاتھ میں ڈنڈا پکڑ لیا۔

☼ ☼ ☼

ماکھا اپنے علاقے کا بدمعاش تھا، جگا ٹیکس وصول کرتا اور چھوٹی موٹی چوریاں کیا کرتا۔ کبھی کسی سے موبائل چھین لیا، کبھی کسی راہ گیر کو کسی سنسان جگہ پہ گھیر کر ریوالور دکھا کر پیسے نکلوا لیے۔

مستقیم بھی اس کے نقش قدم پہ چلنے لگا۔ کیا ٹھاٹھ کی زندگی تھی، وہی لوگ جو کبھی اسے آنکھیں دکھاتے تھے اب اس سے دہشت کھانے لگے، بدکنے لگے۔ وہ جہاں سے گزرتا، لوگ راہ بدل لیتے۔ کس میں جرأت تھی کہ اس کے سامنے آنکھ اٹھاتا۔ ماکھے کے اور بھی ساتھی تھے جو اس کے انڈر تھے۔ راجو، حسام، سالار، امانت، یہ بھی کم و بیش مستقیم جیسے حالات کا ہی شکار نوجوان تھے۔ مگر ماکھا اسے بے حد خاص سمجھتا تھا۔ سب جانتے تھے، وہ اس کا چہیتا ہے۔ ماکھے کے تعلقات بہت بڑے بڑے لوگوں سے تھے۔ ہر تیسرے دن ان کی بیٹھک میں محفلیں جمتیں۔ پھر وحشیانہ کھیل رچایا جاتا، جس میں مستقیم نے ماکھے اور امانت کے اصرار کے باوجود کبھی شامل ہونے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ ماکھے کے بعد امانت تھا، جس سے اس کی دوستی ہوگئی تھی۔ وہ پڑھا لکھا بھی تھا۔

وقت کچھ اور آگے سرکا۔ مستقیم نے ماکھے سے اسلحہ کے استعمال اور کراٹے وغیرہ کی تربیت حاصل کی۔ وہ چیتے کی طرح پھرتیلا اور لومڑی کی طرح عیار تھا۔ اس نے مستقیم میں اپنا سارا ہنر منتقل کردیا۔ شیر جیسی طاقت تو اس میں موجود تھی۔ ماکھے نے اسے اپنا بھی گرو مان لیا۔

اور جب ایک پولیس مقابلے میں ماکھا جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تو اس کے تمام ساتھیوں کی متفقہ رائے سے مستقیم کو ماکھے کی جگہ سردار کی حیثیت دے دی گئی۔

☼ ☼ ☼

مستقیم نے ماکھے کے اسٹائل کو چھوڑ کر اپنے اسٹائل میں ڈکیتی شروع کی۔ اس نے دو بار بینک لوٹے۔ اس کا شکار ہمیشہ بڑے بڑے جاگیردار اور سیٹھ ہوتے تھے۔ اس نے محدود سے عرصے میں اپنے ساتھ اپنے ساتھیوں کو بھی مالا مال کردیا تھا۔ پچھلے دنوں پولیس بہت الرٹ تھی۔ ایک، دو بار تو وہ بال بال بچے تھے۔ مستقیم نے دانستہ ان دنوں کوئی واردات نہیں کی۔ مگر پھر ساتھیوں کے اصرار پہ مستقیم نے ایک نسبتاً "چھوٹے درجے کی واردات کی تھی، وہ بھی شہر سے یکسر الگ تھلگ ایک قصبے میں، مگر وہیں سے اس کی زندگی نے ایک نیا موڑ لیا تھا۔

وہ جو عورت کے وجود سے بھی الرجک تھا۔ جانے کیا تھا اس نازک بدن، بے انتہا خوب صورت اور باوقار سی لڑکی میں کہ وہ اپنی زندگی کا دوسرا بڑا فیصلہ اتنا اچانک کر گیا، جس نے اس کی زندگی بدل کے رکھ دی تھی۔ دیا کی محبت اسے اپنے روم روم میں بسی محسوس ہونے لگی تھی۔ ایسی مقناطیسی کشش کہ وہ بے اختیار ہوجاتا۔ اس کے باوجود کہ وہ اس سے نفرت کرتی تھی، اسے دیا کا تنفر برا نہیں لگتا تھا۔ وہ اسے اس کے ہر رویے میں برحق سمجھتا تھا، مگر ابھی جو کچھ ہوا تھا، اس کے اندر ایک ساتھ بہت کچھ ٹوٹ گیا تھا۔ وہ اپنی زندگی کے پھر اسی مقام پہ کھڑا تھا، جب ابو نے اسے ایک چور لٹیرا سمجھتے ہوئے اپنے گھر سے نکال دیا تھا۔ اس دکھ سے تو وہ نکل آیا تھا۔ مگر اس کرب کے سمندر سے شاید کبھی نہ نکل پاتا۔ حقیقت کی کربناکی اور سفاکی اسے کند چھری سے ذبح کر رہی تھی۔

اس کا جی چاہا، زندگی کی اتنی اہم بازی ہار جانے پہ وہ بچوں کی طرح سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر روئے۔ اس نے تو ایک بچے کی طرح سے دیا کے آنچل میں پناہ ڈھونڈی

تھی۔ سکھوں، خوشیوں، سکون کی چاہ لے کر، لیکن اس نے اپنا آنچل ہی سمیٹ لیا تھا۔ اسے ایک بار پھر اپنا وجود حالات کی کڑی دھوپ سے جھلستا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ کتنی چاہ سے اس نے دیا کے ہمراہ ایک نئی زندگی، نئے آشیانے کی بنیاد رکھی تھی، مگر اسے لگا تھا، زندگی کی بساط پہ ایک بار پھر اس کے مہرے پٹ گئے ہوں۔

☼ ☼ ☼

دیا نے کروٹ بدل کر دروازے سے باہر نگاہ کی۔ وہ ابھی تک اسی کیفیت میں ساکن کھڑا تھا جیسے پچھلے چھ، سات گھنٹوں سے۔ پتا نہیں، وہ تھکتا نہیں تھا یا خود اذیتی کا شکار ہوتا تھا۔ وہ مضطرب ہو گئی۔ موسم بہت سرد تھا۔ اسے ٹھنڈ لگ سکتی تھی۔ اسے حیرت نہیں ہوئی کہ اسے اس کی فکر ہو رہی ہے۔

"مستقیم! کیوں کھڑے ہیں یہاں؟ اندر چلیں، لیٹ جائیں ذرا۔" وہ اٹھ کر اس کے پیچھے آ کھڑی ہوئی۔ اپنا نازک ہاتھ اس کے بازو پہ رکھا۔

سگریٹ کے کش لیتے مستقیم نے اپنی دہکتی لہو رنگ آنکھوں سے ایک نگاہ غلط انداز اس پہ ڈالی اور پھر سے تاریکیوں میں کچھ گھورنے لگا۔ انداز تخاطب تبدیل ہو چکا تھا۔ وہ تم سے آپ کے درجے پہ فائز ہوا تھا۔ یہ معمولی انقلاب نہیں تھا۔ مگر وہ غور کرتا تو سمجھتا۔ وہ تو اس پل خود سے بھی روٹھا ہوا تھا۔

"کیا کہہ رہی ہوں میں؟ سُن کیوں نہیں رہے؟" اب کی مرتبہ دیا اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔

"تم سو جاؤ۔ جا کے میری فکر چھوڑ دو۔" اس کی آواز بے حد بھاری تھی۔

"نہیں چھوڑ سکتی۔ آپ باہر ہیں تو مجھے نیند نہیں آ رہی۔" وہ کچھ لاچاری سے بولی۔ یہ بھی عام بات نہیں تھی، مگر وہ پھر بھی نہیں چونکا۔

"تمہیں میری موجودگی میں بھی نیند نہیں آتی، میرے خراٹوں کی وجہ سے۔"

"اب آ جاتی ہے۔ میں عادی ہو گئی ہوں۔"

مستقیم نے کش لیتے ہوئے اسے دیکھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ پہلی بار اس نے نگاہ نہیں چرائی۔ بلکہ اسے دیکھ کر مسکرا دی۔ مستقیم نے ہونٹ بھینچ کر نگاہ کا زاویہ بدل لیا۔

"تم نے میڈیسن یوز کی؟"

"نہیں... اور کروں گی بھی نہیں۔"

"کیوں؟" وہ اسے گھورنے لگا۔ وہ بدستور مسکراتی رہی۔

"اس کا جواب میرے پاس ہے تو، مگر میں دوں گی نہیں۔ آپ خود سوچیں۔" وہ کہہ کر اندر جانے کو مڑی تھی، جب مستقیم نے ایک دم سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"تم اس گناہ سے بچنا چاہتی ہو گی، مگر واضح رہے اس گناہ کو کیے بغیر تم اس مصیبت سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتیں۔" وہ تنک کر بولا۔ دیا نے گہرا سانس بھرا۔

"یہ وجہ نہیں ہے۔"

"پھر کیا وجہ ہے، بتاؤ مجھے؟" وہ ضبط کھو کر چیخ پڑا۔

"شاید مجھے اس دنیا میں آنے والے بچے کے باپ سے محبت ہو گئی ہے۔" اس نے شرما کر کہا اور ہاتھ چھڑا کر اندر دوڑ گئی۔

مستقیم ایک پل کو ہونق ہوا، پھر اگلے لمحے اس کے حلق میں کڑواہٹ بھر گئی تھی۔ وہ تنتناتا ہوا اندر آیا تو دیا بستر پہ بیٹھی تھی۔ ٹانگیں پلنگ سے نیچے لٹک رہی تھیں۔

"جھوٹ بولتی ہو تم... بکواس کرتی ہو۔ مگر سنو! مجھے اس دھوکے میں پڑنے کی ضرورت نہیں سمجھیں۔" اس کا چہرہ اپنے فولادی ہاتھ میں بھینچ کر وہ ایک دم ہذیانی انداز میں چلانے لگا۔

دیا نے مزاحمت نہیں کی۔ بہت سکون سے اسے دیکھتی رہی تو مستقیم نے جھنجلا کر اسے جھٹک دیا تھا اور خود زور، زور سے پیر مارتا، پھر باہر نکل گیا۔

☼ ☼ ☼

دیا کی سمجھ میں نہیں آتا تھا، وہ ایسا کیا کرے کہ مستقیم اس کٹھن راہ سے پلٹ آئے۔ کرسٹل جیسی

فطرت تہہ در تہہ گناہ کے احساس سے ... گئی تھی اور برسوں کی تربیت کے سارے ... تی مایوسی، قہر اور طیش کی زد میں ڈوب گئے۔

وہ اس کے بارے میں کچھ بھی نہ جان پاتی، اگر کل کمرے کی صفائی کے دوران مستقیم کی ذاتی ڈائری اسے مل گئی ہوتی، جس میں اس کے وہ سارے دکھ رقم تھے جو اسے اصل اور صحیح راستے سے ہٹانے کا محرک بنے تھے۔ کچھ لمحوں کو تو وہ خود بھی گم صم ہو گئی تھی۔ ... معنوں میں اسے مستقیم سے ہمدردی محسوس ہوئی۔

وہ کمرے میں نہیں تھا۔ اس نے کچھ دیر انتظار کیا۔ پھر اس کی تلاش میں باہر آ گئی۔ وہ ساتھ والے کمرے میں موجود تھا۔ فرشی بستر پہ چت لیٹا دونوں بازو آنکھوں پہ دھرے۔ دیا کو اس کا انداز کچھ اور بھی پرملال کر گیا۔

"مستقیم! آپ کمرے میں کیوں نہیں آئے؟" وہ اس کے نزدیک بیٹھ گئی۔ مستقیم چونکا، پھر سپاٹ سے انداز میں بولا۔

"میری مرضی۔"

"یہ کیا بات ہوئی؟ پلیز! اٹھیں یہاں سے۔" اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا تو مستقیم کو ایک دم غصہ آ گیا۔

"مجھے تنگ مت کرو دیا! جاؤ مجھے تنہا چھوڑ دو۔"

"تو آپ نہیں آئیں گے؟"

"کہا نا، نہیں آؤں گا۔" وہ نروٹھے پن سے بولا تو دیا بھی وہیں اس کے برابر پھسکڑا مار کر بیٹھ گئی۔

"ٹھیک ہے! پھر میں بھی یہیں رہتی ہوں۔" اس کے انداز میں اطمینان تھا، جس سے وہ جھنجلانے لگا۔

"او کے! پھر میں یہاں سے چلا جاتا ہوں۔" وہ غصے میں اٹھا۔ دیا نے ایک دم اس کی کلائی دونوں ہاتھوں میں جکڑ لی۔

"بھاگ رہے ہیں مجھ سے؟" اس کی آنکھوں میں مسکان تھی۔

"تم سے نہیں... تمہارے جھوٹ سے۔" وہ جھلا کر بولا۔ دیا نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں سرخیاں تھیں۔

"کون سا جھوٹ بولا ہے آپ سے؟" وہ بے حد سنجیدہ نظر آنے لگی۔

"تم جانتی ہو۔" وہ نروٹھے پن سے کہہ کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"کیا ثبوت ہے آپ کے پاس کہ یہ جھوٹ ہے؟" وہ ایک دم روہانسی ہو گئی۔

"جواب میں" وہ خاموشی سے اسے گھورنے لگا۔

"آپ خائف کیوں ہیں محبت سے؟ میں نے آپ کی ڈائری پڑھ لی ہے۔ سارے حالات جانتے ہیں تو آپ بے قصور لگے مجھے۔" اس نے وضاحت کی تو وہ زہر خند سے مسکرایا۔

"پھر تم اسے ہمدردی کا نام دے سکتی ہو، محبت کا نہیں۔" دیا ایک دم لاجواب ہو گئی۔ مستقیم کی آنکھوں میں طنز ابھر آیا۔ گویا کہہ رہا ہو، میں غلط تو نہیں سمجھ رہا تھا۔

جبکہ وہ سوچ رہی تھی۔ اس کی احساس محرومی سے شکستہ شخصیت کو دوبارہ سے نکھارنا اور ان پیچیدہ راستوں سے ہٹا کر پھر سے حق اور سچ کے راستوں پہ لانا اتنا آسان تو نہیں تھا۔ وہ جس بھنور میں پھنسا ہوا تھا، اس سے نکلنا اگر ناممکن نہ بھی ہو تو بھی مشکل ضرور تھا۔

"آپ نے اپنی امی کو بھی ابھی تک معاف نہیں کیا؟" مستقیم نے ایک سرد آہ بھری۔ سر کو نفی میں جنبش دینے لگا۔

"نہیں! وہ ایک وقتی احساس تھا۔ میں سمجھتا ہوں اگر وہ ایسا نہ کرتیں تو شاید دنیا کی ہر عورت سے میرا ہمیشہ کے لیے اعتبار اٹھ گیا ہوتا۔ آج تم بھی میری زندگی میں شامل نہ ہوتیں۔ میرے لیے ہر عورت بے وفا ہوتی۔"

"شکر ہے، آپ کی سوچیں تو ابھی تک مثبت ہیں۔" وہ ہلکی پھلکی ہو کر مسکرائی۔ پھر اپنی دونوں کہنیاں اس کے سینے سے ٹکا کر اس پہ جھکتی ہوئی کسی قدر شرارت سے بولی۔

"اگر کسی روٹھے ہوئے کو منانا ہو تو کیا کرنا چاہیے؟" مستقیم نے نظریں اٹھا کر اس کی ستاروں کی مانند چمکتی دمکتی آنکھوں کو دیکھا اور کچھ کہے بغیر اپنے جسم کو ایک دم جھٹکا دیا۔ وہ بے توازن ہوئی اور پوری کی پوری اس کے اوپر آ گری۔ ایسے بے حد نزدیک آ گئے۔

وہ اس کی بوکھلاہٹ کو محسوس کر کے زور سے ہنسا اور پھر دیا کی جھینپی ہوئی ہنسی بھی اس کی ہنسی میں شامل ہو گئی۔ اس نے جان لیا تھا کہ دل کی زمین ایک بار بنجر ہو جائے تو پھر کوئی موسم پھول کھلانے نہیں آتا۔ چاہے آنے والا وقت کتنی ہی مہربانیاں کرے، کوئی کتنی ہی دلداریاں کرے، دل میں جو جذبے مر جائیں، وہ پھر زندہ نہیں ہوتے اور اسے اس کے دل کو مرنے سے بچانا تھا۔ اس لیے بھی کہ وہ اس کی آخری آس تھی۔

☆ ☆ ☆

"کیا سوچ رہی ہو؟" بستر کی چادر کو ڈیزائن پہ بے خیالی میں انگلی پھیرتے ہوئے وہ اپنی ہی کسی سوچ میں گم تھی۔ جب مستقیم نے اسے چونکایا۔ وہ پلکیں اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔ پھر ایک گہرا سانس کھینچا۔

"مستقیم! آپ کو نہیں لگتا، ہم ایک نارمل زندگی نہیں گزار رہے؟ مجھے بہت گھبراہٹ ہونے لگی ہے۔

آپ کو زندگی میں کوئی کمی محسوس نہیں ہوتی؟" اس نے بات کرتے کرتے ایک سوال داغ دیا۔ مستقیم کی آنکھیں شرارت سے چمکنے لگیں۔

"پہلے ہوتی تھی، جب تک تم نہیں تھیں۔ اب میں مکمل طور پہ آسودہ ہوں۔ کچھ ٹائم ہے بیچ میں، پھر ہمارا بچہ بھی ہو گا۔" دیا جھینپ سی گئی۔ اس کی لانبی پلکیں حیا سے لرزنے لگیں۔

"میرا مقصد آپ کے دیگر رشتوں سے تھا۔ آپ کی امی اور... اور... ابو... ہم ان سے مل تو سکتے ہیں نا؟" اس نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ مستقیم کے چہرے پہ پتھریلی سنجیدگی چھا گئی۔ وہ وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔ دیا گہرا سانس بھر کے رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

شام کے وقت وہ سو گئی تھی۔ جب ہی رات کا کھانا بناتے دیر ہو گئی۔ بریانی دم پہ لگا کر وہ کس قدر تھکان محسوس کرنے لگی۔ آج کل وہ بہت تھوڑا سا کام کر کے بھی ہانپ جاتی تھی۔ اس وقت بھی ذرا کمر سیدھی کرنے کے خیال سے کمرے میں آئی تھی۔ جب مستقیم کی تیاری دیکھ کر آرام کو سرے سے بھول گئی۔

"کہیں جا رہے ہیں آپ؟" بلیک جینز شرٹ میں س کا لمبا قد بے حد نمایاں ہو رہا تھا۔ وہ جانتی تھی، جب وہ لوگ ڈاکے کی نیت سے نکلتے، تب ہی سیاہ لباس استعمال کرتے تھے۔ اس کا دل سینے میں اودھم مچانے لگا۔ آج وہ امتحان کی گھڑی آ گئی تھی، جب اسے خود کو استعمال کرنا تھا۔ جس کے لیے وہ کئی دن سے نہ صرف خود کو تیار کر رہی تھی، بلکہ خائف ہونے کے ساتھ منتظر بھی تھی۔

"تمہیں پتا تو ہے یار! پھر فائدہ ایسے سوالات کا؟" مستقیم نے ریوالور کے چیمبر میں گولیاں چیک کیں اور اسے جیکٹ کی اندرونی جیب میں رکھنے لگا۔

"ایک بات مانیں گے؟" وہ ایک دم اس کے سامنے آ گئی۔

"بولو!" مستقیم نے مسکرا کر گویا اس کا حوصلہ بڑھایا۔

"آج کہیں مت جائیں، میرے پاس رہیں پلیز!"

"کیا ہوا؟ طبیعت تو ٹھیک ہے نا تمہاری؟" مستقیم ایک دم متفکر ہونے لگا۔

"ہاں! ٹھیک ہوں، بس رات کو تنہائی کے خیال سے وحشت ہوتی ہے۔"

"تم دوا لے کر سو جانا۔ میں اتنے دنوں سے تمہارے ساتھ ہی تو تھا۔" وہ نرمی و محبت سے اس کے گال کو سہلا کر بولا۔ دیا نے بے چین نظروں سے اسے دیکھا۔

"میں ہمیشہ ہر وقت آپ کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں

مستقیم!" وہ اس کے بازو سے لگ کر گھبرائی ہوئی آواز میں بولی۔ مستقیم اندر تک نہال ہو گیا۔

"میں تم سے دور ہو کر بھی تمہارے پاس ہوتا ہوں دیا! ڈونٹ وری۔ مگر جانو! کام کو بھی تو وقت دینا ہوتا ہے نا؟"

"آپ... آپ یہ کام چھوڑ دیں مستقیم! میرے دل کو ہر وقت دھڑکا لگا رہتا ہے۔"

"یہ چھوڑ دوں تو پھر اور کیا کروں۔" وہ زخمی انداز میں مسکرایا۔

"کچھ بھی... کچھ بھی... لیکن یہ نہیں... پلیز... پلیز مستقیم!" وہ باقاعدہ رونے لگی۔ مستقیم کے اعصاب کشیدہ ہونے لگے۔

"میں ایک ان دیکھے جال میں پھنس چکا ہوں دیا! جس سے چاہوں بھی تو رہائی ممکن نہیں۔"

"کچھ بھی ناممکن نہیں ہے مستقیم! آپ عہد تو کریں۔" اس کے انداز میں بے قراری تھی۔ مستقیم کے چہرے کے عضلات ایک دم تن گئے۔

"تم بے وقوف ہو۔ کچھ نہیں جانتیں۔" اس نے سر جھٹک کر کہا۔

"آپ میری بات نہیں مانیں گے؟" دیا نے کچھ مایوسی، کچھ خفگی سے اسے دیکھا۔

"مجبوری ہے... نہیں مان سکتا۔"

"ٹھیک ہے! پھر میں بھی آپ کی بات نہیں مانوں گی۔" وہ ایک دم بچوں کی طرح سے روٹھ گئی۔ مستقیم کو ہنسی آ گئی۔

"نہ ماننا... میں زبردستی کر لیا کرتا ہوں، تم جانتی ہو۔" وہ شریر قسم کی مسکان سے بولا تو دیا کا چہرہ حجاب سے سرخ پڑ گیا۔ مستقیم نے بہت دلچسپی سے اس کے چہرے کے رنگوں کو دیکھا۔ پھر گہرا سانس بھر کے اسے باہر بلاتا ہوا چلا گیا۔ اپنی اس ناکامی پہ دیا کا دل بری طرح بھر آیا۔ وہ بے آواز روئے گئی۔

☆ ☆ ☆

ایک بار پھر وہ کامیاب اور شاداں و فرحاں لوٹے تھے۔ مگر دیا کا موڈ بے حد خراب تھا۔ اس کے خیال میں غلطی کرنا غلطی نہیں تھا، غلطی کو دہرانا غلطی تھا۔ مستقیم نے جتنی بار بھی اسے مخاطب کیا، وہ منہ پھلائے اس کی بات کو نظر انداز کر گئی۔ اب اس نے اپنی بات منوانے کا ایک دوسرا طریقہ سوچا تھا۔

وہ سب کمرے میں بیٹھے ناشتا کر رہے تھے، جب ہی وہ وہیں چلی آئی اور اپنی انگلی سے سونے کی انگوٹھی اتار کر امانت کے آگے رکھ دی۔

"امانت بھائی! اسے بیچ کر مجھے ایک کلہاڑی لا دیں۔" اس کے مطالبے پہ وہاں موجود سب ہی نفوس کے چہروں پہ تحیر و استعجاب اتر آیا۔ راجو کو تو باقاعدہ اچھو لگا تھا۔

"کلہاڑی؟" امانت نے اسی تحیر کے زیر اثر سوال کیا۔ جبکہ مستقیم کچھ خفا خفا سا ہونٹ بھینچے بیٹھا تھا۔

"کیا کریں گی اس کا آپ؟" اس کے سر کو اثبات میں جنبش دینے پہ امانت نے جز بز ہو کر سوال کیا۔

"آج رات کا جب کھانا پکے تو اسے پہلے کسی کتے کو کھلا کر چیک کر لینا۔ ایسا نہ ہو، یہ محترمہ ہمیں نیند کی دوا ملا کر سلا میں اور سوتے میں ہم ہی سے منگوائی کلہاڑی سے ہماری گردنیں اتار ڈالیں۔" راجو نے حسب عادت کلس کر کہا۔ امانت بے ڈھنگے پن سے ہنسنے لگا۔ جبکہ باقی سب ابھی بھی ہونق تھے۔

"بے فکر رہیں مجھے اگر ایسا کرنا ہوتا تو آلۂ قتل آپ سے منگوا کر آپ کو شک میں مبتلا نہ کرتی اور اطلاعاً عرض ہے میں اس طرح کے متعدد مواقع پا کر بھی اگر ایسا نہیں کر پائی تو اس کا مطلب یہی تھا کہ مجھے بہر حال مجرموں کے بیچ رہ کر بھی گناہ اور ثواب کے فرق اچھی طرح ازبر ہیں الحمدللہ!" اس کا لہجہ آپ ہی آپ طنزیہ ہو گیا تھا۔ انہیں ان کے احساسات میں گھیر کر وہ جیسے آئی تھی، ویسے ہی پلٹ گئی۔

"کیا کرو گی تم اس کلہاڑی کا؟" مستقیم بیڈ روم میں آیا تو موڈ ہنوز آف تھا۔ دیا نے پروا نہیں کی۔ وہ خود بھی اس سے ناراض تھی۔

"جب کروں گی تو دیکھ لیجیے گا۔" اس نے رُکھائی کا

مظاہرہ کیا۔

"تم مجھ سے بھی کہہ سکتی تھیں۔" مستقیم نے ناگواری سے کہا۔

"میں آپ سے خفا ہوں۔ میں آپ سے اب کچھ مطالبہ نہیں کروں گی۔" وہ درشتی سے بولی تو مستقیم اسے گھورنے لگا، مگر وہ خائف نہیں ہوئی۔

"مقابلہ کرو گی میرا؟"

دیا نے کاندھے اچکا دیے۔ مستقیم نے ہونٹ بھینچ لیے۔ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا، پھر ایک جھٹکے سے مڑ کر کمرے سے نکل گیا۔ دیا گہرے گہرے سانس بھر کے خود کو نارمل کرنے کی سعی کرتی رہی۔

☼ ☼ ☼

"تم نے کھانا نہیں کھایا نا؟" وہ کلہاڑی لیے بیٹھی تھی۔ جب مستقیم اس کے پاس آیا تھا۔

"کچھ پوچھ رہا ہوں؟" وہ زچ ہوا۔

"یہ ذریعہ معاش جائز ہے نہ حلال۔۔۔ اور میں حرام کا نوالہ منہ میں نہیں ڈالنا چاہتی۔ یہ کلہاڑی اس لیے منگوائی ہے کہ اب میں جنگل میں لکڑیاں کاٹوں گی انہیں بیچوں گی۔ پھر ان سے حاصل شدہ رقم سے اپنے لیے کھانے کا انتظام کروں گی، کیونکہ میں۔۔۔" اس کی بات پوری نہیں ہو سکی۔ مستقیم جو اس کی بات کو حیرت سے سن رہا تھا، وہ حلق سے اڈنے والے قہقہے پہ قابو نہ رکھ سکا۔

"تم۔۔۔ یعنی تم لکڑیاں کاٹ کر بیچ کر پھر کچھ کھاؤ گی؟ یعنی اپنے زور بازو پہ؟" ہنسی بمشکل روک کر وہ سرخ پڑتا ہوا بولا۔ دیا کا چہرہ سبکی کے احساس سے دمکنے لگا۔ اس نے بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ سلگتی نظروں سے اسے گھورا تھا، پھر بھنکار کر بولی۔

"آپ میرا مذاق اڑا رہے ہیں؟" اس کا لہجہ بے حد تیکھا تھا۔ مستقیم بے اختیار گڑبڑایا، مگر مصنوعی انداز میں۔

"تم نے بات ہی ایسی کی ہے۔ اتنی دھان پان سی ہو اور عزائم۔۔۔" وہ اس کی قہر بھری نگاہوں کو خود پہ جمے پا کر بھی دوبارہ ہنسنے لگا۔

"میرا وجود جتنا بھی کمزور اور نازک ہو، مگر میرے ارادے بہت مضبوط ہیں۔ میں آپ کو ایسا کر کے دکھاؤں گی۔" اس نے دو ٹوک اور قطعی انداز میں کہا تو مستقیم بھی کس قدر سنجیدہ ہوا تھا اور ہاتھ اٹھا کر درشتی سے بولا۔

"بس! بہت ہو گیا مذاق۔ یہ کچھ دوائیں اور پھل وغیرہ ہیں۔ تمہیں ضرورت ہے اچھی خوراک کی اور۔۔۔"

"مگر میں کچھ نہیں کھاؤں گی۔ سنا نہیں آپ نے، میں اپنے بچے کو حرام کی کمائی کا ایک نوالہ بھی کھا کر جنم نہیں دوں گی۔ تاکہ اس کی بنیاد حرام نہ ہو، سمجھے؟" وہ اس کی بات کاٹ کر چیخ پڑی۔ مستقیم کے فراخ ماتھے پہ ایک شکن نمودار ہوئی۔

"اس سے پہلے بھی تم یہ سب کھاتی رہی ہو۔" اس نے جیسے جتلایا اور دیا کے چہرے پہ اضطراب چھا گیا۔

"ہاں! میں نے خود تو کھا لیا، مگر کہاں کہ اپنے بچے کی بنیاد حرام پر نہیں رکھوں گی۔" اس نے ہٹ دھرمی اور ضدی پن سے کہا تو مستقیم نے ہونٹ بھینچ کے اسے سرخ ہوتی آنکھوں سے دیکھا۔

"اب تم جھگڑا کرو گی مجھ سے؟"

"میں نہیں۔۔۔ آپ کریں گے۔ میں نے آپ کو فورس تو نہیں کیا نا؟ آپ اپنی مرضی کے مالک ہیں اور میں اپنی۔"

"یہ مشقت طلب کام میرے بچے کو نقصان پہنچا دے، پھر۔۔۔؟" وہ بری طرح زچ ہوا تھا۔ دیا نے اس بات کا جواب نہیں دیا۔ مستقیم نے جھنجلا کر اسے شانوں سے جکڑ لیا۔

"کھانا کھاؤ دیا!" وہ ہونٹ بھینچے دوسری جانب دیکھتی رہی۔ وہ جھلانے لگا۔

"نہیں مانو گی؟" اس نے خاصی تاخیر سے سوال کیا تھا۔ دیا نے فی الفور سر کو نفی میں ہلا دیا۔

"جہاں تک میری بات تھی، میں نے خود پہ صبر کر لیا۔ اولاد کے بارے میں تو کمپرومائز۔۔۔ میں آپ

کے ہر فیصلے سے یوں ہی ٹکرا جاؤں گی۔ پہلے مجھے اپنی موت کا خوف تھا۔ اب کیا کرو گے تم۔ مار دو گے مجھے؟" اس کے لہجے میں تمسخر تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ جواب میں کوئی ردعمل ظاہر کرتا، امانت بدحواسی میں گرتا پڑتا اندر آیا تھا۔ اس کے چہرے پہ ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اس نے جو اطلاع دی تھی اسے سن کر مستقیم بھی ایک دم بوکھلا گیا۔

☼ ☼ ☼

وہ سجدے میں سر جھکائے سسک سسک کر بے حال تھی۔

"برس ہا برس گزرے ایک ہی دعا، ایک ہی التجا کرتے، سات سالوں میں تو کوڑے کے ڈھیر کا نصیب بھی بدل جاتا ہے۔ میرے اللہ! میرے مولا! میں کوڑے کی ڈھیری سے بھی حقیر ہوں تیری نگاہ میں جو معافی کا اشارہ نہیں ملتا۔۔۔ دعا کی مقبولیت کی نوید نہیں ملتی۔" ان کی ہچکیاں بندھ رہی تھیں۔ جب ان کے شانے عبدالماجد کے مہربان ہاتھ کا لمس پڑا تھا۔

"بس کرو بیگم! حوصلہ کرو، خدا سے شکوہ نہیں کرتے۔ اپنے گناہوں کی معافی طلب کرتے ہیں۔" یہ ان کے شوہر تھے جنہوں نے ہمیشہ طنز کے تیر برسائے تھے۔ جب بھی بات کی تھی، لہجے میں بے زاری یا سرد مہری ہوا کرتی۔ ایک طرح سے بہت کڑی زندگی گزاری تھی انہوں نے شوہر کی ہمراہی میں۔ ہر لمحہ خوف، ہر گھڑی ہراس کے ساتھ۔ کب، کہاں، کون سی بات ناگوار گزر جائے۔ مگر اب وہ بھی بدل گئے تھے۔ زندگی بھر کی کمائی تھا وہ۔ ہمیشہ اسے شیر کی نگاہ سے ہی دیکھا۔ کبھی بیٹے کی طرح چاہا ہی نہ تھا۔ پتا نہیں کیسا مزاج تھا ان کا کہ ہر وقت چڑتے رہتے۔ وہ ڈرا سہما سا لڑکا نہیں کبھی خاص اور اہم لگا ہی نہ تھا، مگر جب اسے کھویا، تب ایک دم جیسے خالی ہو گئے۔ خالی دامن، خالی ہاتھ، دل اور خالی گھر۔ کیسے کیسے ارمان جاگ اٹھے تھے اس کا گھر بسانے، اس کی اولاد کو کھلانے کے، ایک ہی لمحہ تھا۔ مگر ملال تھے کہ ختم ہی نہ ہوتے۔

یہ کیا کر بیٹھے وہ۔۔۔ کیسے اپنے پیروں پہ خود کلہاڑی مار بیٹھے، عمر بھر کی کمائی اپنی نادانی سے گنوا دی اب اس کی بے گناہی تو ثابت ہو ہی چکی تھی۔ مگر وہ تو مجرم تھے اس کے۔ باپ جو اولاد کی زندگی میں اہم اور خاص مقام رکھتا ہے۔ انہوں نے کیا کردار ادا کیا، پڑھے لکھے ہو کر بھی۔

وہ سوچتے اور اپنی گردن پہ آہنی حلقہ محسوس کرتے۔ کیا کوئی ایسا ذریعہ تھا کہ وہ ازالہ کر سکتے؟ وہ خود کو بے بس پاتے تھے کہ چڑیاں کھیت چگ کر اڑ چکی تھیں۔ اب صرف ملال تھے۔ وہ ایسے دل برداشتہ تھے کہ کہیں سکون نہ پا کر خدا سے لو لگا لی۔ دن رات ایک ہی التجا، ایک ہی گزارش آنسوؤں کے نذرانے کے ساتھ اس مالک حقیقی کے حضور پہنچاتے اور ندامت سے آنسو بہاتے رہتے۔

"میں مجرم ہوں اس کا۔ خدا بھی مجھے نہیں بخشے گا۔ اگر میں نے اس سے معافی نہ مانگی اور۔۔۔ کہاں ڈھونڈوں اسے۔"

"نہیں! آپ نہیں، مجرم تو میں ہوں اس کی۔ آپ کا رویہ اس کے ساتھ ہمیشہ سے ایسا تھا۔ ہرٹ تو میری وجہ سے ہوا وہ۔ پتا نہیں کیا ہو گیا تھا مجھے؟ کیوں اسے وہ سب کہہ ڈالا۔" ان کے رکے ہوئے آنسو پھر سے بہہ نکلے تھے۔

"اب ان باتوں کا کیا فائدہ۔ لگتا ہے خدا بھی ہم سے خفا ہو گیا ہے۔ کوئی دعا اثر نہیں کرتی۔" وہ خود بھی بکھرنے لگے اور پھر وہ دونوں دیر تک اس کی باتیں اور یادیں دہراتے رہے۔

☼ ☼ ☼

سلائی مشین کی گھرر گھرر کی آواز ایک تسلسل سے اس کے کانوں میں پڑتی تھی اور وہ مضطرب ہو کر کروٹوں پہ کروٹیں بدلنے لگتا۔ حالانکہ ڈاکٹر نے سختی سے اسے زیادہ حرکت کرنے سے منع کیا تھا۔ اس روز پولیس نے ان کے ٹھکانے پہ ریڈ کیا تھا اور جب پولیس ان کے گرد گھیرا تنگ کر رہی تھی، اس کے

ساتھی بھرپور مزاحمت کررہے تھے۔ فائرنگ کی آواز سے پورا جنگل گونج رہا تھا اور امانت کی ایک ہی رٹ تھی۔

"تم بھابھی کو لے کر یہاں سے نکل جاؤ۔"

اور مستقیم کو ہرگز بھی یہ گوارا نہیں تھا کہ وہ اس مشکل گھڑی میں اپنے ساتھیوں کو چھوڑ جائے۔ جب ہی صاف انکار کردیا، مگر امانت مستقل مصر تھا۔

"بھابھی کی پوزیشن ایسی ہرگز نہیں ہے۔ تم سمجھتے کیوں نہیں ہو مستقیم! ہم گرفتار ہوئے تو ان کا کیا ہوگا؟ ہماری پولیس کی کمینگی سے آگاہ ہو تم۔ ہماری فکر مت کرو۔ ہم جیتے جی گرفتاری نہیں دیں گے۔ پچھلا راستہ ابھی تک محفوظ ہے، تم وہاں سے نکل جاؤ بھابھی کو لے کر....."

اور مستقیم کو نہ چاہتے ہوئے بھی اس کڑے وقت میں اپنے ساتھیوں کو چھوڑنا پڑا تھا۔ جس پل اس نے ہراساں و متوحش دیا کو دیکھا تھا، اس کی نگاہوں کی التجا کو رد نہیں کرسکا تھا۔ اس کی آنکھوں کی سطح پہ بے بسی نمی کی صورت پھیل رہی تھی اور پھر وہ دیا کے ساتھ وہاں سے نکل آیا تھا۔

☼ ☼ ☼

مستقیم نے اپنا حلیہ یکسر تبدیل کرلیا تھا۔ شلوار قمیص کی جگہ جینز شرٹ اور داڑھی مونچھ صاف کراکے وہ کلین شیو اور آرمی کٹ میں ایک بالکل بدلے ہوئے روپ میں تھا۔ اس کے باوجود اسے پہچان لیے جانے کا دھڑکا ہر پل ستایا کرتا۔

یہ ایک غیر معروف سا قصبہ تھا۔ جس مکان کو اس نے کرائے پہ حاصل کیا تھا، وہ بستی سے الگ تھلگ تھا۔ اطراف میں وسیع کھیتوں کے سلسلے تھے اور سامنے درختوں کے درمیان گھری نہر۔ مستقیم کے پاس پیسے کی کمی نہیں تھی۔ اس کڑے وقت میں بھی مستقیم نے وہاں سے آتے ہوئے افراتفری میں سہی، نوٹوں کی گڈیاں اٹھا کر اپنے لباس میں چھپالی تھیں۔ اب بھی اس کا ارادہ اسی پیسے پہ عیش کرنے کا تھا، مگر دیا کی ضد کے آگے ہار کر وہ اس روز کسی کام کے ارادے سے نکلا تھا کہ روڈ کراس کرتے ہوئے اس کا بہت شدید ایکسیڈنٹ ہوگیا۔ اس کا بازو اور دائیں ٹانگ بری طرح متاثر ہوئی تھی۔

چار دن اسپتال میں گزار کر وہ گھر آیا تو دیا کو اس نے ایک یکسر بدلے ہوئے روپ میں پایا۔

"تم تو سخت مایوس ہوئی ہوگی..... ہے نا؟ میں مرتے مرتے پھر زندہ بچ گیا۔ جان ہی نہیں چھوٹ رہی تمہاری..... اوپر سے یہ رہی سہی کسر میری معذوری نے پوری کردی۔" وہ اپنے ہاتھ سے اسے کھانا کھلا رہی تھی جب مستقیم نے کسی قدر تلخی سے کہا تھا۔ دیا کے دل پہ جیسے گھونسا لگا۔ اس نے خفا خفا سی نظر اس پہ ڈالی اور سوپ کا پیالا واپس رکھ دیا۔

"آپ ابھی تک مجھے سمجھے نہیں؟"

"میں کسی کو بھی کچھ نہیں سمجھ سکا۔ ساری زندگی میں نے بس جھک ماری۔ تمہیں پتا ہے امانت پولیس مقابلے میں مارا گیا ہے۔ راجو پولیس کی حراست میں ہے اور حسام فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ پولیس کتوں کی طرح ہماری بو سونگھتی پھرتی ہے۔ تمہاری ضد کہ میں محنت کی روزی کما کر تمہیں کھلاؤں۔ سب کچھ برباد ہوگیا ہے۔" وہ جھلا کر بولتا چلا گیا۔ دیا نے گہرا سانس کھینچا۔

"فی الحال آپ کچھ بھی کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ میں نے یہاں کی خواتین سے سلائی کی بات کی ہے۔ دادی غلط نہیں کہتی تھیں۔ ان کی دوراندیشی آج میرے کام آرہی ہے۔ ہاتھ میں ہنر ہے۔ میں اسی ہنر کو روزی کا وسیلہ بناؤں گی۔ میں تھکنے والوں میں سے نہیں ہوں مستقیم! مجھے ہمت نہیں ہارنی۔ بس مجھے آپ کا ساتھ چاہیے۔ میرا ساتھ دیں گے؟" اس نے اپنی بات کے اختتام پہ آس بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

وہ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا، پھر یونہی بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ چہرے کا رخ پھیرلیا۔ دیا کے چہرے پہ ایک رنگ آکر گزر گیا، مگر وہ ہار تسلیم نہ کرنے کا تہیہ کرچکی تھی۔

☼ ☼ ☼

دیا کا مستقیم کی زندگی میں آنا ازل سے طے شدہ امر تھا۔ وہ تو ایک بھٹکے ہوئے راہی کو راہ پہ لانے کا وسیلہ بنائی گئی تھی۔ وہ بڑی استقامت سے حالات کے سامنے ڈٹ گئی تھی۔ وہ نازک سی لڑکی جو پہلی مرتبہ زندگی کا مرحلہ طے کررہی تھی۔ جسے خدا نے مشکل راستے کا راہی بنانے سے قبل مضبوط حوصلے پہلے عطا کیے تھے۔ مگر وہ تو ان باتوں سے دور تھا، جب ہی اس کے حوصلوں پہ حیران ہوا کرتا۔ اس روز بھی وہ سلائی کا کام نمٹا کر اس کے پاس ہی سبزی کی ٹوکری لے کر چلی آئی تھی تو وہ اسے دیکھ کر دکھ سے بولا۔

"مجھے اکثر اپنی خود غرضانہ سوچ پہ ندامت ہوتی ہے۔ کن دکھوں میں ڈال دیا تمہیں۔ ملال تو تمہیں بھی ہوگا؟" وہ جواباً مسکرادی۔

"میں تقدیر سے شاکی نہیں ہوں۔ تقدیر اٹل ہوتی ہے اور آزمائش میں مبتلا کیے جانے والا تو اللہ کا مقرب اور پسندیدہ ہوتا ہے۔ میں نے اس بات کو ذرا دیر سے جانا، مگر جب جانا تو پھر صبر بھی آگیا۔ میں جان گئی میرے رونے پیٹنے سے یا غمزدہ رہنے سے کچھ نہیں ہوسکتا۔ ہوتا تو وہی ہے جو اللہ کی مرضی ہے۔ دادی کہا کرتی تھیں 'جو آزمایا گیا' وہ خاص ہوا۔ میں بھی آزمائی گئی تھی۔ یہ میرا امتحان ہے اور میں اس امتحان میں کامیابی کی خواہش مند ہوں، لیکن مستقیم! مجھے آپ کا ساتھ، آپ کا تعاون درکار ہے۔ ہم اپنے بچوں کو رزق حلال سے پروان چڑھائیں گے۔" اس کی خوش نما آنکھوں میں کتنے ہی جھلمل کرتے خواب تھے۔ وہ اسے دیکھتا رہ گیا۔

کیا وہ ان آنکھوں کو خوابوں سے خالی کرنے کا حوصلہ رکھتا تھا۔ یقیناً "نہیں۔"

"ضروری تو نہیں مستقیم! اگر دنیا ہمارے ساتھ برائی کرے تو ہم بھی برائی پہ اتر آئیں۔ اس طرح تو ہر طرف برائی کا راج ہوجائے گا۔ جبکہ رب کا حکم اچھائی کو پھیلانے اور برائی کو روکنے کا ہے۔" اس نے پھر آس بھری نگاہوں سے اسے دیکھا۔ مستقیم اسے تکتا رہا، پھر گہرا تھکن زدہ سانس بھر کے گویا ہوا۔

"میری خواہش زندگی کے ہر راستے پہ تمہارے ہم قدم چلنے کی ہے۔ میں تمہیں خفا نہیں کرنا چاہتا دیا! مگر یہ لوگ، یہ معاشرہ نہ تو کبھی میرے عیب ڈھکے گا، نہ مجھے زندگی کو نئے سرے سے شروع کرتے دیکھ سکے گا۔ تم نہیں جانتیں یہ....."

"آپ ایک بار عہد تو کریں۔ سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا۔ ہم واپس چلیں گے..... آپ کے ابو امی کے پاس..... میرے بابا اور امی سے بھی ملیں گے۔ آپ کو پتا ہے، اللہ جب مشکل راستے کسی کے نصیب میں لکھتا ہے تو اسے مضبوط حوصلے بھی بخشتا ہے۔" مستقیم نے سرد آہ بھری تھی۔

"واپسی کا یہ سفر بہت تکلیف دہ ہوگا۔ بہت پُرپیچ اور کٹھن، مگر میں اسے اختیار کرنے کی کوشش اس لیے بھی کروں گا کہ اس کی منزل بہت پُرکشش ہے۔ میں گناہ کے راستوں پہ چلتے بہت تھک گیا ہوں دیا۔ اب اندھیروں سے روشنی میں آنے کی خواہش ہے..... شاید اس لیے بھی کہ گمراہی کے اس دورانیے میں میرا ضمیر کبھی بھی مطمئن نہیں ہوسکا اور یہ بھی کہ مجھے ان آنکھوں کی روشنی سے محبت ہے اور میں انہیں ہمیشہ روشن دیکھنا چاہتا ہوں۔" اس نے ایک محبت بھری نگاہ اس کی آنکھوں پہ ڈالی اور مسکرادیا تھا۔

دیا کے اندر ڈھیروں آسودگی اتر آئی۔ وہ اپنی کامیابی پہ سجدۂ شکر بجالانے کو اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ کامیابی جو اس کے رب کی ہی بخشی ہوئی تھی پھر شکرانہ تو اس پہ واجب تھا ناں۔